مجموعہ احسن الرسائل

جلد دوم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا
مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم

الحسنی کتب سبحانی

بسم الله الرحمن الرحيم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام .... مجموعہ رسائل (جلد دوم)
مصنف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب
مرتب .... محمد ہمایوں مغل
ناشر .... جامعہ عربیہ احسن العلوم
کمپوزنگ .... دار التصنیف (جامعہ عربیہ احسن العلوم)
پروف ریڈنگ وحوالہ جات ...... علامہ سعید احمد قادری مدظلہ واراکین دار التصنیف
طباعت .... اول (۱۴۳۹ھ، ۲۰۱۷ء)
رسائل کی تعداد .... دس (۱۰)

ملنے کا پتہ

احسنی کتب خانہ جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
مکتبہ عمر فاروق بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی
القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

مجموعہ

احسن الرسائل

شیخ الحدیث و التفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب

علم کا رواں دریا اپنے مفتی صاحب ہیں

علم و فضل کا جنکے اک زمانہ قائل ہے

ان کا ہر رسالہ خود علم کا ہے اک مکتب

احسن الرسائل تو سید الرسائل ہے

سمیع صدیقی

فہرستِ مضامین

(۱) پگڑی سنتِ نبوی اور شعارِ اُمت	۷
(۲) مسئلہ اسبال الازار	۳۹
(۳) غزوات النبی ﷺ	۶۷
(۴) داڑھی کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱۱۳
(۵) احسن القرباۃ بمنع الزکوۃ الی السادات	۱۶۳
(۶) مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت	۲۲۵
(۷) پردہ کا شرعی حکم قرآن، حدیث وفقہ کی روشنی میں	۲۵۹
(۸) زکوۃ کے نوے (۹۰) مسائل	۲۸۱
(۹) بدعتیوں کے بارے میں دوٹوک فتویٰ	۲۹۳
(۱۰) تقریر ختم بخاری شریف	۳۲۱

بسم الله الرحمن الرحيم

رب اشرح لي صدري
ويسر لي أمري

پگڑی

سنتِ نبوی ﷺ اور شعارِ اُمت

بخدمت اقدس حضرت الاستاذ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتھم

ایک صاحبِ علم کے استفتاء بابت سنت عمامہ کے جواب میں محترم ومکرم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم کی تحریر اور تحقیق نظر سے گزری۔ ''دوائے دل'' کتاب جو ''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ'' کے ملفوظات وکمالات اشرف کے اقتباسات سے مرتب کیا گیا ہے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے ایک مسترشد نے سنت عمامہ کو از روئے حیاء، ترک کرنا پوچھا ہے جس پر حضرت حکیم الامت نے اس کے مقابلے میں تواضع اور اس کے ارکان میں سے بعض کو واجب کہہ کر عمامہ ترک کرنے کی اجازت دی ہے بتغیر یسیر اس پر محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اول تو سنت عمامہ سے متعلق بہت ساری روایات کی تضعیف اور تجہیل کی، اور عمامہ کو سلسلہ نقشبندیہ کے یہاں باعث اہتمام فرمایا اس سلسلے میں کچھ خلجان ہے جس کے رفع کرنے کے لئے آپ کی طرف مراجعت ضروری سمجھتا ہوں۔

المستفتی

لیاقت علی شاہ امام وخطیب جامع مسجد درویشیہ

نرسری، کراچی

الجواب و باللہ التوفیق

آپ کے استفسار کے بعد متعلقہ استفتاء اور اس پر صادر شدہ فتویٰ ملاحظہ کیا اور وہ ملفوظ دوائے دل اور ملفوظات و کمالات اشرف دونوں میں موجود ہے، درحقیقت محترم و مکرم مفتی صاحب مدظلہ نے جو انداز شروع میں اختیار فرمایا اس سے یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ شاید ایک بزرگ کے ملفوظ کا دفاع کیا جارہا ہے، اور سنت مستحبہ کو کمزور کر کے اس سے انحراف یا ترک کی ترغیب کی تقویت کی جارہی ہے۔ مجھے بھی بہت دیر تک ملال کی سی کیفیت رہی لیکن آگے چل کر جو خلجان آپ کو ہے اور ابتدائی حصہ تحریر سے جو ملال مجھے ہوا اس کو حضرت مولانا مدظلہ نے محسوس فرمایا ہے اور آخیر میں حکیم الامت کا یہ ارشاد اپنے ایک مسترشد کے احوال اور اصلاح تک محدود فرمایا ہے۔ البتہ جو کچھ بعد میں تحریر کیا گیا ہے اگر یہ فتویٰ کے شروع میں ہوتا تو خلجان اور ملال کی ضرورت نہیں تھی۔ احادیث بابت عمائم، صحاح، حسان اور ضعاف موضوعات تک ہیں۔ جس انداز سے تحریر میں رد و قدح کیا گیا ہے اس میں ایک پہلو بغیر کسی وجہ کے مجروح نظر آرہا ہے مثلاً عمائم کا وجود شرعاً مسلمہ ہے، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے امام الحدیث،

"باب العمائم" (بخاری ج ۲ ص ۸۶۳ کتاب اللباس)

کا عنوان قائم کر چکے ہیں۔

بدر العینی شارح البخاری نے تحت الحدیث آنحضرت ﷺ سے سنیت نقل فرمائی ہے جسے بیشتر محدثین نے صحیح کہا ہے۔

"جاء رجل الی ابن عمر رضی الله عنه فقال یا ابا عبد الرحمن العمامة سنة؟ فقال نعم قال رسول الله ﷺ لعبد الرحمن بن عوف اذهب فاسدل علیک ثیابک والبس سلاحک ففعل ثم اتی النبی ﷺ فقبض ما سدل بنفسه ثم عممه فسدل من بین یدیه ومن خلفه . (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۷ باب العمائم)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور پوچھا کہ اے ابو عبد الرحمٰن کیا عمامہ پہننا سنت ہے؟ تو حضرت نے فرمایا جی ہاں! "رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اپنے کپڑے کو اپنے اوپر لٹکاؤ اور اپنا ہتھیار لے لو پس وہ ایسا کر کے جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے پھر حضرت نے بنفس نفیس خود اس سدل والے کپڑے کا عمامہ بنا کر حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف ﷺ کو باندھا اور ایک شملہ سامنے چھوڑا اور دوسرا پشت پر۔

آنحضرت ﷺ سے عمائم کے فضائل اور حکم دونوں ثابت ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا روایت میں مذکور ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا عام معمول مبارک عمامہ باندھنے کا تھا آپ ﷺ کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا جو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باندھا تھا، آپ ﷺ کبھی صرف عمامہ باندھتے تھے اور اکثر ٹوپی پر باندھتے تھے اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے۔ (زاد المعاد ص ۱۳۵)

نیز شیخ الحدیث مولانا زکریا محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شمائل میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا باندھنا سنتِ مستمرہ ہے۔ (شرح شمائل ص ۶۸)

نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی منقول ہے چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فاعتموا فان العمائم سيماء الاسلام وهى الحاجز بين المسلمين والمشركين. (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۸ باب العمائم کتاب اللباس)

فرمایا عمامہ باندھا کرو عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان و کافر کے مابین فرق کرنے والا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نقل فرمائی:

"اعتموا تزدادوا حلما" أخرجه الطبرانى والترمذى

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۴۸ باب العمائم کتاب اللباس)

یعنی عمامہ پہنا کرو بردباری میں بڑھ جاؤ گے۔

روایات سے معلوم ہوا کہ ابتداءً آپ نے تنہا ٹوپی اور پگڑی کو ناپسند فرمایا تھا اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیاز کی غرض سے دونوں کا اجتماع کا حکم فرمایا۔ عمامہ اور رومال جو چہرے تک آجائے آپ ﷺ سے ثابت ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت والی روایت میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی جو کیفیت نقل کی گئی ہے وہ یہی ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا معمول پگڑی اور رومال باندھنا ہے۔

وقال انس عصب النبی ﷺ علی رأسه حاشية برد.

(بخاری ج ۲ ص ۸۶۴، باب التقنع، کتاب اللباس)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر کا کنارہ باندھا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عصابہ اور تقنع کا فرق ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فالتقنع تغطية الرأس والعصابة شد الخرقة على ما احاط بالعمامة.

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۵۰)

"تقنع سر ڈھانپنے کو کہتے ہیں اور عصابہ رومال لپیٹنا عمامہ کی جگہ پر۔

پگڑی باندھنا ملائکہ کی خصلت ہے جیسا کہ روایات میں ظاہر ہے کہ ملائکہ غزوات میں شریک ہوتے تھے اور ان کے سروں پر پگڑیاں ہوتی تھیں۔

"عليكم بالعمائم فانها سيما الملائكة وارخوا لها خلف ظهوركم"

(کنز العمال ص ۳۰۶ ج ۱۵ حدیث ۴۱۱۴۰)

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں پگڑیوں کا لازمی اہتمام کرو، یہ ملائکہ کی خصلت ہے اور شملہ اپنی پشت پر چھوڑو۔

اور عمائم ٹوپی پر باندھا جائے کیونکہ مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ عمائم بغیر ٹوپی کے باندھتے تھے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ:

"لا تزال امتی علی الفطرة مالبسوا العمائم على القلانس"

(رواہ الدیلمی عن رکانۃ رضی اللہ عنہ، کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۸ حدیث ۴۱۱۴۸)

میری اُمت تب تک فطرت (سلیمہ) میں رہے گی جب تک وہ ٹوپیوں پر پگڑیاں باندھتی رہے گی۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين يعطى يوم القيٰمة بكل كورة يدورها على رأسه نورا"

(رواہ الباوردی عن رکانۃ رضی اللہ عنہ کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۵)

جسکا مفہوم ہے کہ ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق کرتی ہے، قیامت کے دن اسے نور دیا جائیگا ہر کور کے بدلے جو اس نے اپنے سر پر گھمایا تھا۔

عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دے پشت کی جانب یہ قول راجح ہے۔

"وارسال ذنب العمامة بين الكتفين الى وسط الظهر كذا فى الكنز"

(فتاوئ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۰ الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذلک ومالا یکرہ)

عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان آدھی پیٹھ تک چھوڑنا مستحب ہے، کنز میں اسی طرح ہے۔

اور اکثر روایات میں جناب نبی کریم ﷺ کا عمل اسی طرح ثابت ہے اور امام ترمذی نے اس موضوع پر باب العمامۃ السوداء کے ضمن میں روایت نقل فرمائی ہے:

"عن ابن عمر قال كان النبى ﷺ اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه قال نافع وكان ابن عمر يسدل عمامته بين كتفيه."

(جامع ترمذی، ابواب اللباس ج ۱ ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ جب عمامہ پہنتے تو اسکا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بھی اپنا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔

مگر بیان جواز کیلئے دائیں جانب شملہ چھوڑنا بھی ثابت ہے

"ویرخی لها من جانب الایمن نحو الاذن" (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰)

پیغمبر ﷺ نے شملہ دائیں جانب کان کے پاس سے لٹکایا۔

بعض روایتوں میں جناب نبی کریم ﷺ کے عمامہ کے دو شملے چھوڑنے کا ذکر ہے، جن میں سے ایک شملہ آگے اور دوسرا پشت مبارک کی جانب ہوتا تھا۔

چنانچہ مجمع الزوائد ہی کی روایت ہے کہ

"اذا اعتم ارخی عمامته بین یدیه و من خلفه"

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰)

یعنی جب جناب نبی کریم ﷺ عمامہ کے شملے چھوڑتے ایک سامنے اور دوسرا پیچھے۔

شملہ کی مقدار بعضوں نے ایک بالشت اور بعضوں نے بیٹھنے کی جگہ تک لانبا چھوڑنے کو ترجیح دی ہے اور بعضوں نے نصف کمر تک کا قول کیا ہے۔

"واختلفوا فی مقدار ما ینبغی من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر ومنهم من قال الی وسط الظهر ومنهم من قال الی موضع الجلوس کذا فی الذخیرة. (فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۳۰ باب التاسع فی اللبس ما

یکرہ من ذٰلک ومالا یکرہ)

حدیث مبارکہ میں شملہ کی مقدار چہار انگشت بھی آئی ہے(مجمع الزوائد ج۵ص۱۲۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ایک بالشت، یا اس سے کم اور کبھی ایک ہاتھ کی مقدار میں شملہ چھوڑتے تھے۔(تحفۃ الاحوذی ج۳ص۴۹)

اور امام نووی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو عمامے تھے ایک بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا اور چھوٹا سات ہاتھ کا تھا۔(تحفہ عن القاری ج۳ص۴۹)

مگر حقیقت اور درست بات یہ ہے کہ عمامہ کی کوئی بھی خاص مقدار نبی ﷺ صحیح مرفوع اور صریح طور پر ثابت نہیں ہے، حاوی للفتاویٰ میں علامہ جلال الدین سیوطی ؒ کا بیان ہے کہ:

واما مقدار العمامة الشريفة فلم يثبت فى حديث

(الحاوی للفتاویٰ ج۱ص۷۳)

اور یہ بات کچھ تغیر کے ساتھ علامہ جزری رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔

البتہ عمامہ کے فضائل کے سلسلے میں جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے یہ موضوع ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج۳ص۵۱)

فقہاءِ کرام تین کپڑوں میں نماز مستحب لکھ چکے ہیں جیسا کہ بدائع الصنائع اور مجمع الانہر وغیرہ میں موجود ہے، اب اس کو غیر مقصودہ یا سنتِ عادیہ کہنا بُعد کی مصطلحات ہیں۔ اصل میں ایک مستحب پر حسنِ نیت سے اہتمام بھی مستحب کے درجہ میں باعثِ اجرو

ثواب ہے۔ زمانۂ حال میں بہت سارے علماء بلکہ اولیاء ہونے کے دعویدار سنت عمامہ کو اپنی شان اور گروہ کے ادب کے خلاف جانتے ہیں، ایسی صورت میں سلسلہ نقش بندیہ کے لوگ ہوں یا دوسرے سلاسل کے حضرات ہوں مسلمان کی حیثیت سے سنت کا احیاء باعثِ اجر و ثواب ہے۔

امام العصر محدثِ کبیر آیت من آیات اللہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیض الباری میں فتاویٰ امینیہ کے حوالے سے بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے آگے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی محدثانہ رائے اور اعدل الاقوال موجود ہیں۔ فتاویٰ امینیہ مخطوطہ صفحہ ۱۲۸ پر یہ عبارت موجود ہے جس کی وجہ عمر بھر عمامہ ترک کرنا اور موضوع اور ضعیف کے بہانے سنت مستحبہ ترک کرنا اور عوام کی طرح صرف جالی کی ٹوپی سے جمعہ اور عید تک پڑھنا پڑھانا جب عادت ہو جائے تو ان کی اصلاح کے لئے فتاویٰ امینیہ کا جزیہ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نفسِ نقل کافی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے دار الافتاء کی طرف سے ایک تحریر بابت تحقیق عمامہ ملاحظہ ہو۔

(۱) عمامہ سنت ہے اور مرد کی زینت ہے عمامہ ترک کرنا نامناسب عمل ہے عمامہ میں انسان کا وقار اور عزت ہے عمامہ سنت لباس ہے اور نماز میں عمامہ باندھنا مستحب ہے۔

وروی الدیلمی عن ابن عباس بلفظ العمائم تیجان العرب فاذا وضعوا العمائم وضعوا اعزھم

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۴۷ کتاب اللباس)

امام دیلمی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں کہ عمائم

عرب کے تاج ہیں جب انہوں نے عمائم کو ترک کیا؛ اپنی عزت کو بھی ترک کر دیا۔

عن عبد السلام قلت لابن عمر کیف کان یعتم رسول اللہ ﷺ قال یدیر کور العمامة علیٰ راسه ویغرزه من ورائه (قال نافع وکان ابن عمر یفعل ذالک) یعنی انه سنة مؤکدة محفوظة لم یرض الصلحاء ترکها. (شرح المناوی مع جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۰۶)

عبدالسلام سے منقول ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جناب نبی کریم ﷺ عمامہ کیسے باندھتے تھے تو فرمایا کہ حضرت عمامہ کا کورا اپنے سر مبارک پر گھماتے تھے اور اسکا آخری حصہ پشت کی جانب چھوڑتے تھے (امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کر کے دکھا رہے تھے) مطلب یہ کہ عمامہ سنت مؤکدہ محفوظہ ہے صلحاء امت اسکو ترک کرنے پر کبھی بھی رضامند نہیں۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة

(البحر الرائق ج ۲ ص ۴۴، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۹،
فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ کوئٹہ)

اور مستحب ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے قمیص، ازار، اور عمامہ۔

اسی طرح دوسری کتب میں بھی ہے۔

(۲) پگڑی کی مقدار اگرچہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے البتہ مرقات جمع الوسائل شرح المناوی میں سات، بارہ گز مذکور ہے اور ضیاء القلوب میں سات، آٹھ، بارہ، چودہ اور پندرہ گز مذکور ہے اور امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے

سات، بارہ اور تین گز لکھا ہے

قا ل الشیخ شمس الدین الجزری تتبعت قدر عمامۃ النبی ﷺ فتبین من کلا م الشیخ محی الدین النو وی انھا کا نت علی انحاء ثلا ثۃ اذرع وسبعۃ واثنتی عشر من الذرا ع الشرعی وھو النصف من ذراعنا وتلک الاخیرۃ کا نت للعید ین.

(فیض الباری ج۴ص ۳۷۵ کتاب اللباس)

علامہ شمس الدین جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کے عمامہ کی لمبائی کی مقدار کے بارے میں بہت غور وفکر کی؛ جسکے بعد امام نووی شیخ محی الدین رحمہ اللہ کا کلام مجھ پر واضح ہوا کہ عمامہ کی مقدار تین، سات اور بار گز شرعی ہے جو کہ ہمارے گز کا آدھا ہے، اور بار گز آخری حد ہے، جسے پیغمبر ﷺ عیدین کیلئے پہنتے تھے۔

اس لئے ہم بے علم لوگوں کے لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات قابل عمل اور قابل اعتماد ہے لہٰذا اب تین مقداروں میں سے کسی بھی مقدار پر کوئی عمل کرے تو سنت ادا ہوگئی۔

(۳) عمامہ میں مکمل ٹوپی چھپانا سنت نہیں ہے نفس جواز ہے ٹوپی کا کچھ حصہ چھپانا کافی ہے اس سے سنت ادا ہوگی۔

(۴) عمامہ محض ٹوپی کے ارد گرد اس طرح باندھنا کہ ٹوپی اوپر سے مکمل خالی رہے یہ عمل درست اور جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور ٹوپی مکمل چھپانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے علماء کرام کا عمل بھی یہی ہے کہ ان کی ٹوپی اوپر سے عمامہ سے خالی ہوتی ہے اگر چہ زمانہ

حال کے بعض دارالافتاؤں سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ ٹوپی کو مکمل چھپانا مستحب ہے اور اس دلیل کو مزید قوت دینے کیلئے طحطاوی علی المراقی کی عبارت پیش کی گئی ہے وہ عبارت یہ ہے۔

والمراد انه مکشوف عن العمامة لا مکشوف اصلاً لانه فعل مالا یفعل

(طحطاوی علی المراقی ص ۳۵۰)

لیکن ان کا یہ طریقہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اول تو اعتجار کی متفقہ تعریف وہ نہیں ہے جو عام کتب میں ہے کہ پگڑی سر پر اس طرح باندھنا کہ اوپر والا حصہ خالی رہے بلکہ اعتجار کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ایک تعریف یہ ہے کہ عمامہ کے ذریعے منہ چھپانا یہ تعریف بخاری شریف سے ثابت ہے چنانچہ عبید اللہ بن عدی جب حضرت وحشی کے پاس گیا تو اس وقت عبید اللہ کا منہ عمامہ کے ذریعے چھپا ہوا تھا

قال وعبید الله معتجر بعمامته ما یری وحشی الا عینیه ورجلیه

..الخ (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۸۳)

فرمایا عبید اللہ اپنے عمامہ میں ڈھکا ہوا تھا حضرت وحشی نے صرف اسکی آنکھیں اور پیر دیکھے۔

قوله (معتجر) ای لاف عمامته علی راسه من غیر تحنیک.

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۷، عمدة القاری ج ۹ ص ۱۵۸ باب قتل حمزہ)

یعنی معتجر کا مطلب ہے کہ پگڑی کو اپنا سر ڈھانکے بغیر لپیٹنا۔ (یعنی ٹوپی کے بغیر)

دوسری تعریف یہ ہے کہ عمامہ کا کچھ حصہ سر پر باندھنا اور کچھ حصہ بدن پر باندھنا چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔

وقال بعضهم ان يشد بعض العما مة على راسه والبعض على بد نه

(فتاوىٰ تا تارخانیہ قدیم ج ۱ ص ۵۶۱، جدید ج ۲ ص ۲۰۰ **الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي ان يفعل في صلاته وما لا يكره**)

تیسری تعریف وہی ہے جو عام کتب میں ہے یعنی عمامہ سر پر اس طرح باندھنا کہ سر کا اوپر والا حصہ خالی رہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

ويكره الاعتجا ر ان يلف العما مة حو ل راسه ويد ع وسطها كما تفعله الدعرة (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۵۹)

یعنی اعتجار مکروہ ہے وہ یہ کہ پگڑی اپنے سر کے اردگرد لپیٹنا اور درمیان کی جگہ خالی چھوڑنا (ٹوپی نہ پہننا) جیسے بدمعاش لوگ کرتے ہیں۔

کفایہ میں ہے

ويكره الاعتجا روهو ان يشد العما مة حول راسه ويبد ى ها مته كما يفعله الشطا ر (کفایۃ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰)

اس عبارت میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ اپنی کھوپڑی کھلی چھوڑ دے بدمعاشوں کی طرح۔

اور اسی طرح مواہب اللدنیہ میں ہے:

وسنة العمامة بعد فعلها ان يرخى طرفها ويتحنك به فان كانت بغير طرف ولا تحنيك فذلك يكره عند العلماء واختلف في وجه الكراهة فقيل لمخالفة السنة فيها وقيل لانها كذلك عمائم

الشیاطین. (مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۴۳۵)

کہ عمامہ کی سنت اس کو لپیٹنے کے بعد یہ ہے کہ اس کا شملہ چھوڑ دے اور ٹوپی پر
عمامہ لپیٹے اگر اس نے یہ دونوں کام نہ کیے تو علماء اس کو بدنما گردانتے ہیں اور اس کی دو قول
ہیں ایک تو یہ کہ سنت کی خلاف ورزی ہے دوسرے یہ کہ یہ شیاطین کی پگڑیاں ہیں۔
اور شیاطین جیسی پگڑیاں یا تو سکھ باندھتے ہیں یا روافض اس لئے اس انداز سے پگڑی
باندھنا دنیا وآخرت کی تباہی کا باعث ہے۔

اوران کے علاوہ اس جیسی ملتی جلتی عبارات البحر الرائق، النہر الفائق، محیط برہانی،
حلبی کبیر، مراقی الفلاح، مبسوط للسرخسی، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری، ردالمحتار اور
دیگر کتب فقہ میں بھی ہیں سب کا حاصل اور مفہوم ایک ہی ہے۔ دوم یہ کہ اگر یہ بات مان لی
جائے کہ اعتجار کا معنی یہی ہے کہ عمامہ سر پر اس طرح باندھنا کہ سر کا اوپر والا حصہ یعنی
کھوپڑی خالی رہے تو اس سے مراد بھی بغیر ٹوپی کے ہے یعنی بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا اور
اوپر سے سر ننگا رہے جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بعض بوڑھوں اور بدمعاش لوگوں کی عادت ہے
کہ وہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں اور اوپر سے سر بالکل ننگا رہتا ہے بال نظر آرہے
ہوتے ہیں اور بعض دیہاتوں میں بھی زمیندار اور مزدوروں کی بھی یہی عادت ہے یعنی ٹوپی
کے بغیر عمامہ باندھتے ہیں اور اوپر سے بال ظاہر ہوتے ہیں اور مذکورہ فتح القدیر کی عبارت
میں **کما تفعله الدعرة** اور کفایہ میں **کما یفعله الشطار** کے الفاظ ہیں مذکورہ دونوں
عبارات میں **دعرہ** اور **شطار** کے معنی بدمعاش کے ہیں جب کسی معتبر کتاب میں یہ ذکر
نہیں ہے کہ ٹوپی مکمل چھپانا مستحب ہے اور فقہاء کرام نے **ویکرہ الا عتجار** لکھا ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا جائز تو ہے لیکن سر کے بالوں کو اوپر سے عمامہ سے چھپانا ہوگا بالوں کا ظاہر ہونا مکروہ ہے اور بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنے کا ثبوت آپ ﷺ کا مبارک عمل ہے آپ ﷺ نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھا ہے چنانچہ مرقات میں ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وروی عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس القلانس تحت العمائم ویلبس بغیر القلانس ..الخ (مرقات ج۸ص۱۴۷)

البتہ دونوں استعمال کرنا یعنی ٹوپی پر عمامہ باندھنا افضل بلکہ مسنون ہے

وعن الجزری قال بعض العلماء السنة ان یلبس القلنسوة والعمامة

(مرقات ج۸ص۱۴۷)

امام جزری سے منقول ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں ٹوپی اور پگڑی معاً پہننا مسنون ہے

نعم الجمع بین الاحادیث انها مع القلنسوة افضل ..الخ

(مرقات ج۸ص۱۴۷)

تمام احادیث کے درمیان بہترین تطبیق یہ ہے کہ پگڑی، ٹوپی کے ساتھ پہننا افضل ہے۔

اور زادالمعاد میں ہے

وکان (ای النبی ﷺ) یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة (زادالمعاد ج۱ص۱۳۵)

جناب نبی کریم ﷺ بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے پگڑی بھی۔

اور رہی عبارت اتحاف الربانیہ کی **وفیها نعلم ان الشعار الغالب لرسول**

ﷺ کان هو تغطية الراس بالعمامة اس عبارت کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے مراد بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنے کی صورت میں مکمل سر چھپانا پڑے گا۔

دوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اکثر عمامہ باندھا کرتے تھے اور کبھی کبھی بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سر پر رکھتے تھے جیسا کہ مرقات اور زاد المعاد کی عبارت سے معلوم ہوا۔

سوم یہ بنا بر جواز ہے یعنی ٹوپی کو اوپر سے مکمل چھپانا جائز ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا عمل بھی یہی ہے کہ مکمل ٹوپی چھپاتے ہیں اور اکثر علماء کرام ومشائخ عظام کا یہ عمل ہے کہ ان کی ٹوپی اوپر سے عمامہ سے خالی رہتی ہے اگر یہ عمل مکروہ ہوتا تو یہ نیکان زمانہ اس مکروہ فعل کے مرتکب نہ ہوتے باقی رہی طحطاوی کی عبارت جس میں ہے

وترک وسطها مکشوفاً... والمراد انه مکشوف عن العمامة لا مکشوف اصلا لا نه فعل ما لا یفعل، الخ (طحطاوی علی المراقی ص ۳۵۰)

جسکا مطلب ہے سر کا درمیانی حصہ کھلا چھوڑنا اور مراد اس سے پگڑی سے کھلا چھوڑنا ہے، ننگے سر رہنا نہیں ہے (یعنی ٹوپی پہننی ہے) اور یہ ایسا عمل ہے جو ہم نہیں کرتے۔

اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ مذکور ہوا۔

اور دوسرا یہ کہ علامہ طحطاوی کی یہ اپنی ذاتی رائے ہے کیونکہ اوپر فتح القدیر اور کفایہ اور دیگر کتب کی عبارات سے معلوم ہوا کہ اعتجار سے مراد سر کا اوپر کا حصہ بغیر ٹوپی کے خالی

ہونا ہے اور بطور مثال کے دعرہ اور شطار کا عمل ذکر کیا گیا کہ وہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے تھے اور سر کا اوپر کا حصہ بالکل ننگا ہوتا تھا اور زمانہ حال میں پنجاب اور سندھ بلوچستان کے بعض علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ بغیر ٹوپی کے عمامہ یا اور کوئی رومال یا چادر سر پر باندھتے ہیں اوپر سے سر کے بال بالکل نظر آرہے ہوتے ہیں اس لئے محققین کی عبارات اور تعامل امت کے مقابلے میں طحطاوی کی عبارت مئول اور قابل غور ہے۔

(۵) شملہ کی زیادہ مقدار ایک ہاتھ ہے اور کم مقدار چار انگلی ہے اس سے کم یا زیادہ کرنا بہتر نہیں ہے اگر کوئی ایسا کرے تو خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوگا گناہ گار نہیں ہوگا اور شملہ بالکل حد سے زیادہ طویل کرنا درست نہیں ہے یہاں تک کہ ضیاء القلوب میں اس کو بدعت لکھا ہے۔

واقل مقدار شملہ چہار انگشت است واکثر یک دست وتطویل متجاوزازظہر بدعت است

(ضیاء القلوب مع خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۵۳)

اور شملہ کی کم از کم مقدار چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کے بقدر اور بہت زیادہ لمبا شملہ بدعت ہے۔

افضل اور بہتر یہی ہے کہ عمامہ کا شملہ پشت کی جانب ہو اور دائیں طرف چھوڑنا بھی جائز ہے اور شملہ بائیں جانب چھوڑنا خلاف اولی وغیر افضل ہے یہاں تک کہ مسائل متفرقہ اور شرح المناوی میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے اور ضیاء القلوب میں اس کو بدعت لکھا ہے۔

ودر شملہ اختلاف است اکثر و اغلب اوقات پس پشت

انحضرت ﷺ بودے واحیانا بجانب راست وبرجانب چپ

بدعت است۔ (ضیاء القلوب مع خلاصۃ الفتاوی ج ۳ ص ۱۵۲)

جناب نبی کریم ﷺ شملہ اکثر اوقات پشت کی جانب رکھتے تھے اور کبھی کبھار دائیں

جانب جبکہ بائیں جانب شملہ چھوڑنا بدعت ہے۔

مسئلہ در ارشاد الطالبین پنج مسئلہ از موضوعات

روافض است یکی آنکہ شملہ دستار بجانب چپ فرد

ہشتن (مسائل متفرقہ مع خلاصہ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۸۵)

ارشاد الطالبین میں وہ پانچ مسائل جو روافض کے من گھڑت ہیں ان میں سے

ایک شملہ کو بائیں جانب چھوڑنا بھی ہے۔

فهل المشروع فيه ارخاوها من جانب الايسر كما هو المعتاد او

من الايمن لشرفه قال ولم ارما يدل على تعيين الايمن الا فى حد

يث ابى امامه عند الطبرانى لكنه ضعيف وبتقدير ثبوته فلعله ير

خيها من جانب الايمن ثم يردها من الجانب الايسر كما يفعله

بعضهم الاانه صار شعار الا ماميه

(شرح المناوی ج ۱ ص ۲۰۷ مع جمع الوسائل)

(۷) مبتدعین کا کونسا عمل ہے جو سنت کے مطابق ہے کہ ان کی پگڑی سنت کے مطابق

ہو ان کا ہر عمل سنت کے خلاف ہے۔

پگڑی سے متعلق ایک اہم فتوی

اسی سلسلے میں ایک اہم فتویٰ نظر سے گزرا مناسب جانا گیا کہ اسے بھی اس مضمون کے ساتھ نقل کردیا جائے، ملاحظہ فرمائیں۔

لباس انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ لباس انسان کی شخصیت، معاشرت، اس کے دین اور اخلاق پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت سازی میں لباس کو اہم مقام حاصل ہے۔ اسلام کی مقدس تعلیمات نے انسانی زندگی کی راہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لباس جیسی اہم ضرورت کے ضمن میں اسلامی تعلیمات و ہدایات بھرپور راہنمائی کرتی ہیں۔ معلم اعظم، رحمت عالم ﷺ نے لباس کے متعلق نہایت موزوں و معتدلانہ اور اصولی ہدایات تعلیم فرمائی ہیں اور خود بھی جو لباس زیبِ تن فرمایا وہ ستر پوشی کے علاوہ تجمل، وقار اور سادگی کا بے مثال نمونہ تھا۔

آنحضرت ﷺ کے لباس کا ایک اہم جزو عمامہ، پگڑی دستار بھی تھی، جو اسلامی تہذیب کا شاہکار اور اسلامی تشخص کو اجاگر کرتی تھی۔ آپ نے عمامہ کی اسلامی حیثیت اور انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے قولاً وفعلاً بے حد مفید راہنمائی فرمائی۔ جس کی ایمان افروز جھلکیاں ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

عمامہ باندھنا سنت ہے

سرور عالم ﷺ ہمیشہ عمامہ باندھتے تھے اور مسلمانوں کو عمامہ باندھنے کا حکم بھی فرماتے تھے، اس لئے اسے سنت کا درجہ حاصل ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

دریافت کیا گیا۔

''العمامة سنة قال نعم'' (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۷ باب العمائم)

''کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ فرمایا۔ جی ہاں''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''فاعتموا فان العمائم سیماء الاسلام وھی الحاجر بین المسلمین والمشرکین'' (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۰۷ باب العمائم)

''عمامہ باندھا کرو۔ عمامہ اسلام کی عظمت کا نشان ہے اور مسلمان اور مشرک کے درمیان امتیاز کرنے والا ہے''

''اعتموا تزدادو احلما'' (فتح الباری ج ۱۱، ص ۴۴۸)

عمامہ باندھا کرو اس سے حلم بڑھے گا

'' العمامة سنة لا سیما للصلوٰة بقصد التجمل '' (مواہب ص ۹۹)

''عمامہ باندھنا سنت ہے، خاص طور پر نماز کے لئے اور تجمل یعنی خوبصورتی کے ارادہ سے''

تاج عرب

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''عمامہ عربوں کا تاج ہے'' (عمدۃ القاری جز ۱۱، ص ۳۰۷، مرقات ج ۸ ص ۱۴۷)

عمامہ نبوی ﷺ

عمرو بن حریث عن ابیه قال کانی انظر الی رسول الله ﷺ علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخیٰ طرفیها بین کتفیه. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۰)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ (خوشنما اور پروقار) منظراب بھی میرے سامنے ہے کہ آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما خطبہ دے رہے تھے اور سیاہ عمامہ آپ ﷺ کے سرِ اقدس پر تھا، اس کا شملہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

عن جابر ان النبی ﷺ دخل عام الفتح مكة وعليه عمامة سوداء

(ابوداوٗد ج ۲، ص ۲۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

ملائکہ کا عمامہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو وہ سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۴۷)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے بدر و حنین میں میری اعانت ایسے ملائکہ سے کی جو عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶)

جمعہ کے دن عمامہ کی فضیلت

حضرت ابوداوٗد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ پاک اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر دعاء رحمت کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۲۴)

علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کا اجر پچیس نمازوں کے برابر اور جمعہ کی ادائیگی

عمامہ کے ساتھ ستر (۷۰) جمعوں کے برابر ہے۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶)

عمامہ باندھنے کا طریقہ

صاحب مدخل فرماتے ہیں کہ عمامہ کھڑے ہو کر اور پاجامہ بیٹھ کر پہننا چاہئے۔

(جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۰۸)

اس کے برخلاف عمامہ بیٹھ کر باندھنا اور پاجامہ کھڑے ہو کر پہننا نسیان اور فقر پیدا کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵، ص ۴ بحوالہ شمائل کبریٰ)

امت کا اکرام

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس امت کا اکرام عمامہ کے ذریعے کیا ہے۔

عمامہ باعث وقار ہے

عن عمران بن حصين العمائم وقار للمؤمن وعز للعرب فاذا وضعت العرب عمائمها وضعت عزها

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ عمامہ مومن کا وقار ہے اور عربوں کی عزت ہے جب انہوں نے عمامہ ترک کیا تو اپنی عزت کھودی۔

(کنز العمال ج ۱۵، ص ۳۰۸ حدیث ۴۱۱۴۷)

سفر و حضر کا عمامہ

آپ ﷺ سفر میں سفید اور حضر میں عموماً سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ (مواہب اللدنیہ)

دوسروں کو عمامہ باندھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو عمامہ باندھا اور چار انگل کے برابر شملہ چھوڑ دیا۔ (سیرت خیر العباد ج ۷، ص ۴۳۴)

عمامہ اسلام کا شعار ہے

نبی کریم ﷺ نے غدیر خم کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور عمامہ باندھا اور اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھو۔ عمامہ خاص کر کے اسلام کی نشانی ہے۔ یہ مسلمان اور کافروں کے درمیان باعث امتیاز ہے۔ اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا بدر اور حنین میں میری مدد کے لئے جو فرشتے بھیجے گئے تھے ان سب نے عمامے باندھے ہوئے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۵، ص ۴۸۲، ۴۸۳)

شملہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان (یعنی پچھلی جانب) ڈال دیتے

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

حضرت عبید اللہ، جو حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

(ترمذی ج ۱،ص ۲۰۷، کتاب اللباس باب ماجاء فی العمامۃ السوداء)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو منبر پر دیکھا آپ ﷺ سیاہ عمامہ پہنے تھے اور اس کا کنارہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔

(مسلم ج ۱،ص ۴۴۰)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس ﷺ نے مجھے اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔ اور اس کا ایک شملہ میری پشت پر اور ایک شملہ میرے سامنے ڈال دیا۔ (کنزالعمال ج ۱۵،ص ۴۸۳)

ایک روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک عمامہ پہنایا۔ جس کا نام "السحاب" یعنی بادل تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عمامہ کو باندھ کر تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ دیکھو "علی سحاب (عمامہ) باندھے آرہے ہیں"۔ (اخلاق النبی ﷺ ص ۱۶۸)

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ ہمیشہ شملہ چھوڑنے کی نہیں تھی۔ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سیاہ عمامہ زیب سر تھا۔ لیکن اس روایت میں پلو لٹکانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمیشہ شملہ نہیں چھوڑتے تھے۔ (زادالمعاد اردو ج ۱،ص ۱۵۱)

شملہ کی مقدار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ابن عوف رضی

اللہ عنہ کو عمامہ باندھا چار انگل یا ایک بالشت کے برابر شملہ چھوڑ دیا۔ اوپر والے شملے کی لمبائی کم از کم چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ بیان کی گئی ہے۔ جبکہ ایک بالشت چھوڑنا درمیانہ درجہ ہے۔ (مواہب اللدنیہ)

رسول اللہ ﷺ کبھی شملہ آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔ کبھی عمامہ کے دونوں کنارے شملہ کے طریقہ پر موڑ لیتے تھے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ہے۔ (شرح شمائل ص ۲۰۶، ج ۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الاتیان بکل واحد من تلک الامور سنة۔ (جمع الوسائل ج ۱، ص ۲۰۷)

شملہ چھوڑنا مستحب ہے اس کا ترک مکروہ ہے، شملہ آگے یا دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے چھوڑنا بھی منقول ہے، زیادہ پیچھے کندھوں کی جانب منقول ہے۔

(سیرت الشامی ص ۴۴۰)

الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں دونوں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانا افضل ہے اور اگر آگے لٹکانا ہو جیسے حضرات صوفیہ اور بعض اہل علم حضرات کا طرز عمل ہے، تو کیا دائیں جانب لٹکانا اس کے شرف کی وجہ سے افضل ہوگا۔ یا بائیں جانب دل کی مناسبت سے لٹکانا افضل ہے؟ صوفیہ کے نزدیک بائیں جانب لٹکانا افضل ہے۔

(مواہب اللدنیہ ص ۱۰۱ شرح شمائل مناوی ج ۱، ص ۲۰۷)

عمامہ کی لمبائی

آنحضرت ﷺ کے عمامہ شریف کی مقدار مشہور روایات میں منقول نہیں ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع (ساڑھے تین گز کا ذکر ہے)

علامہ جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کی دستار کی مقدار معلوم کرنے کی جستجو کی کہ کہیں سے صحیح مقدار معلوم کرسکوں۔ لیکن مجھے کسی کتاب میں صحیح مقدار معلوم نہ ہوسکی۔

البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دو عمامے تھے، ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ چھوٹے کی لمبائی علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق سات ذراع اور بڑا عمامہ بارہ ذراع کا تھا۔

انہ کان لہ ﷺ عمامۃ قصیرۃ وعمامۃ طویلۃ، وان القصیرۃ کانت سبعۃ اذرع والطویلۃ اثنی عشر ذراعا. (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۴۸)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا عمامہ مبارک نہ تو اس قدر بڑا تھا جو سر کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور نہ ہی اتنا چھوٹا تھا کہ سردی اور گرمی سے نہ بچا سکے۔ بلکہ درمیانہ تھا۔

فانہ لم تکن عمامتہ بالکبیرۃ التی یؤذی حملھا ویضعفہ ویجعلہ عرضۃ للآفات کما یشاھد من حال اصحابھا ولا بالصغیرۃ التی تقصر عن وقایۃ الرأس من الحر والبرد بل وسطا بین ذلک. (مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۴۲۷)

عمامہ کا رنگ

آپ ﷺ نے سفید، سیاہ اور زرد رنگ کا صافہ باندھا ہے۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہے۔

سفید عمامہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سفر میں عمامہ سفید تھا۔ (زرقانی جلد ۵، ص ۴)

زرد عمامہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور آپ زرد قمیص زرد چادر، زرد عمامہ میں ملبوس تھے۔ (ابن عساکر، حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو دو زعفرانی رنگ کے کپڑوں چادر اور عمامہ میں دیکھا (مستدرک حاکم، حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے کپڑوں کو زعفرانی رنگ میں رنگا جاتا، قمیص، چادر اور عمامہ (طبقات ابن سعد حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرات ملائکہ جو بدر میں تشریف لائے تھے، ان کے عمامہ کا رنگ زرد تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی زرد عمامہ میں تھے۔ (ابن عساکر)

فائدہ

ذخیرہ حدیث میں عمامہ کے تین رنگ ملتے ہیں۔ سیاہ، سفید، زرد اور سبز عمامہ کی

روایت نہیں ملی۔

عید کے دن سیاہ عمامہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سیاہ عمامہ تھا جسے آپ عیدین میں استعمال فرماتے تھے اور اس کا شملہ پشت پر ڈال لیتے تھے۔

(حاوی، سیرت خیر العباد ص ۴۳۰)

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سیاہ عمامہ استعمال کرنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ ﷺ نے خیبر کے معرکہ میں جب بھیجا تو سیاہ عمامہ آپ نے باندھا تھا، اس کے شملے کو پیچھے یا بائیں جانب چھوڑ دیا تھا۔ (حاوی جلد ۲، ص ۱۰۴)

حضرت ابو جعفر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ ابو رزین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ رشدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو میں نے سیاہ عمامہ میں دیکھا ہے۔ مسلمہ بن وردان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو میں نے بلا ٹوپی سیاہ عمامہ میں دیکھا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہ اور ان حضرات سے سیاہ عمامہ باندھنا منقول ہے۔ (الحاوی جلد ۲، ص ۷۸)

شیخ عبد الرؤف لکھتے ہیں ''صحابہ کرام میں بہت سے صحابہ سیاہ رنگ کا عمامہ

استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے روز، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن جریر، حضرت عمار رضی اللہ عنہم بھی سیاہ عمامہ پہنا کرتے تھے"۔ (شرح شمائل مناوی ج ا ص ۲۰۴)

سیاہ عمامہ کا حکم

علامہ عبدالقیوم حقانی زید فضلہ لکھتے ہیں

"لباس بذاتہ ممنوع نہیں ہوتے، بلکہ کسی دوسری قوم یا فرق ضالہ سے مشابہت کی وجہ سے انہیں خاص حالات اور مشابہت کے قطعی احتمالات کی وجہ سے مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً کالی پگڑی یا سیاہ لباس بنفسہ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔ مگر محرم کے ایام میں شیعہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں۔ ان دنوں میں سیاہ لباس پہننا گویا ان سے مشابہت بظاہر شیعیت کا فروغ و ترویج ہے، لہٰذا ان ایام میں سیاہ پگڑی اور لباس سے اجتناب بہتر ہے۔ ایک دور میں سیاہ لباس پہننا عباسی خلفاء کا شعار بن گیا تھا۔ حتیٰ کہ علماء کرام کے جبے اور عمامے بھی سیاہ ہوا کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سیاہ عمامہ عطا فرمایا تھا، جو ہر تخت نشین کے سر پر بطور تبرک رکھا جاتا تھا"۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ذاتی طور پر اس رنگ کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک عید کے موقع پر جب عمامہ اور گھوڑا بھی سیاہ رنگ کا تھا۔ پھر وہ اس رنگ کو فضیلت دینے لگے۔ مقابلہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسے روافض کا شعار قرار دیا۔

بطور حداد (غم) کے وہ استعمال کرتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر بھی رسالہ لکھا ہے۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ لون اسود بھی سنت ہے اور لون ابیض بھی مگر بیاض کو فضیلت حاصل ہے۔ (شرح شمائل حقانی ج ۱، ص ۳۹۴)

رحمت دو عالم ﷺ کی ٹوپی مبارک کی تفصیل

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

(مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۲۴۷)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپی پر عمامہ باندھنے کا فرق ہے۔ (ابوداؤد ج ۲، ص ۱۱۲)

یعنی ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرک بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ باندھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے عمامہ کے نیچے سر مبارک سے چمٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ یہ ٹوپی سر سے پست و پیوست تھی اور آپ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۴۸۷)

حضرت فرقد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا آپ کے سر مبارک پر سفید ٹوپی تھی۔ (سیرت ج ۷، ص ۴۴۷، بحوالہ شمائل کبریٰ ج ۱، ص ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سفید گول ٹوپی پہنتے تھے۔　　(مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۱۴۹، حدیث نمبر ۸۵۰۵)

حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ

کو دیکھا کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اور ان کے سر پر گول ٹوپی تھی۔

(مطالب مالیہ ج ۲ ص ۲۷۲ بحوالہ شمائل کبری ج ۱ ص ۲۷۸)

آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھا کرتے تھے، نیز آپ کی عادت مبارکہ عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی پہن لینے کی بھی تھی۔ (زاد المعاد، اردو ج ۱ ص ۱۵۱)

عمامہ کے نیچے ٹوپی پہننا، بغیر پگڑی کے صرف ٹوپی پہننا، اونچی ٹوپی پہننا اور سر کے ساتھ ملی ہوئی ٹوپی پہننا سب جائز ہیں اور یہ سب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

(جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۰۴)

واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ اسبال الازار

شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنے کے متعلق بحث

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ چندروز قبل میری نظر سے بریلوی مکتبہ فکر کے مفتی عبدالعزیز (دارالعلوم امجدیہ) کا ایک فتویٰ گزرا جس میں انہوں نے ٹخنے ننگے رکھنے کے خلاف روایات لکھی ہیں اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ نماز میں ٹخنوں کا ننگا رکھنا کوئی ضروری نہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برسوں سے مسلمانوں کا یہ عمل ہے کہ وہ نماز میں اپنی شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کر لیتے ہیں۔

براہِ کرم اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے عوام الناس کی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق

احادیث مبارکہ اور فقہی عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم مرد کیلئے مطلقاً آیا ہے چاہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہر دونوں صورتوں میں احادیث میں خلاف کرنے پر وعید آئی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں ایک مکمل باب اس مسئلہ پر قائم کیا ہے۔

عن العلاء بن عبدالرحمٰن عن ابیه قال سألت اباسعید الخدری عن الازار فقال علی الخبیر سقطت قال رسول ﷺ ازرة المسلم الیٰ نصف الساق ولاحرج اولاجناح فیمابینه وبین الکعبین ماکان اسفل من الکعبین فهوفی النار من جرازاره بطرالم ینظر الله الیه (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب اللباس)

ترجمہ: حضرت علاء ابن عبد الرحمن اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا میں نے
کا پوچھا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے شلوار (کے پائنچوں) کے بارے میں، فرمایا
کہ خیبر کے موقع پر میرے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان
کے پائنچے آدھی پنڈلی تک ہوتے ہیں اور کوئی حرج نہیں کہ پائنچے آدھی پنڈلی اور ٹخنوں کے
درمیان کہیں بھی ہوں (البتہ) جو حصہ پائنچوں کا ٹخنوں سے نیچے ہوا پس وہ جہنم میں ہوگا،
جس نے اپنے ٹخنے تکبر اُڈھکے اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

عن ابی جری جابر ابن سلیم قال رأیت رجلا یصدر الناس عن رایہ لا یقول شیئا الا صدروا عنہ قلت من ھذا قالوا رسول اللہ ﷺ قلت.... وارفع أزارک الی نصف الساق فان ابیت فالی الکعبین وایاک وأسبال الأزار فانھا من المخیلۃ وان اللہ لا یحب المخیلۃ.... (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب اللباس)

ترجمہ: ابو جری جابر ابن سلیم سے مروی ہے فرمایا میں نے دیکھا ایک ہستی کو کہ لوگ انکی
باتوں کو قبول کرتے ہیں اور جو احکامات وہ جاری فرماتے ہیں لوگ فوراً انکی اطاعت بجا
لاتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہستی ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو میں
نے کہا......اور اپنے پائنچے آدھی پنڈلی تک اوپر رکھو اگر اتنا نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں سے لازمی
اوپر رکھو خبردار! پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہیں لٹکانا یہ متکبرین کی علامت ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ
سخت ناپسند فرماتے ہیں اترانے (یعنی تکبر کرنے) والوں کو۔

وفی حدیث ابن الحنظلیة عندابی داؤد(الیٰ قوله)قال قال لنارسول الله ﷺ نعم الرجل خریم الاسدی لولاطول جمته واسبال ازاره فبلغ ذالک خریمافعجل فاخذ شفرة فقطع بهاجمته الیٰ اذنیه ورفع ازاره الیٰ انصاف ساقیه (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب اللباس)

ترجمہ: اور حدیث حنظلہ میں ہے کہ ہم سے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہترین آدمی ہیں خریم الاسدی اگر اسکے بال کندھوں سے لمبے نہ ہوتے اور اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتے یہ بات خریم اسدی تک پہنچی پس انہوں نے فوراً استرا لے کر اپنے بال کانوں تک کاٹے اور اپنے پائنچے نصف پنڈلی تک اٹھا لئے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خریم الاسدی رضی اللہ عنہ کو بہترین آدمی فرمایا لیکن فرمایا کہ کاش اس کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتے تو جب خریم الاسدی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے پائنچے پنڈلیوں تک اٹھا لئے۔

عن ابن عمر قال آتی النبی ﷺ أسبلت ازاری فقال یا ابن عمر کل شیء یمس الارض من الثیاب فی النار اخرجه الطبرانی

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا جبکہ میرے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تھے پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن عمر! ہر وہ حصہ کپڑوں کا جو زمین کو چھوئے وہ جہنم میں ہوگا۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ احادیث میں وعید مطلقاً آئی ہے اس میں کسی قسم کی

کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

یہ کہنا کہ ٹخنے ڈھکنے سے نماز میں کوئی قباحت نہیں ہے یہ بالکل غلط پروپیگنڈہ ہے اگر ایسی بات ہوتی تو پھر آنحضرت ﷺ نے ٹخنے ڈھک کر نماز پڑھنے والے کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ حضرت ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہے کہ یہ کتنا قبیح فعل ہے بلکہ ایسی نماز دوبارہ پڑھوائی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

(عن ابی هريرة رضی الله) عنه قال بينمارجل يصلی مسبلاازاره فقال له رسول اللهﷺصلی الله عليه وسلم اذ هب فتوضأفذهب فتوضأثم جاء فقال اذهب فتوضأفقال له رجل يارسول الله مالک امرته ان يتوضأثم سكتّ عنه قال انه كان يصلی وهومسبل ازاره وان اللهﷻتعالی لايقبل صلاة رجل مسبل. (ابوداؤد ج۲ص۲۱۰ کتاب اللباس)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے تھے جناب نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ پس وہ گیا، وضو کیا پھر آیا (اور نماز پڑھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ پس ایک آدمی نے پیغمبر سے پوچھا کہ کیا وجہ تھی کہ آپنے اسکو وضو کرنے کا حکم فرمایا پھر سکوت اختیار فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اسکے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ہو۔

اور وہ تین آدمی جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا، پاک نہیں کرے گا، اور نظر رحمت نہیں کرے گا ان میں بھی ایک وہ ہے جو پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

عن ابی ذرعن النبی ﷺ انه قال ثلثة لا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم قلت من هم یا رسول الله قد خابوا وخسروا فاعادها ثلثا قلت من هم یا رسول الله خابوا وخسروا قال المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الکاذب او الفاجر. (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۰)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا اور نہ ان پر نظر رحمت کرے گا اور نہ ہی انکو پاک کرے گا اور انکے لئے دردناک عذاب ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ ناکام ہوں، خسارے والے ہوں پس آپ نے اسی طرح تین مرتبہ دوہرایا کہ وہ ناکام ہوئے خسارے والے ہوئے، فرمایا ایک شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

ان احادیث صریحہ سے تو اسبال الازار یعنی پائنچے ٹخنوں سے نیچے کرنا گناہ کبیرہ معلوم ہو رہا ہے۔

وفی هذه الاحادیث ان اسبال الازار للخیلاء کبیرة واما الاسبال لغیر الخیلاء فظاهر الاحادیث تحریمه ایضاً.. قال ابن

عبد البر مفهومه ان الجر لغير الخيلاء لا يلحقه الوعيد الا ان جر القميص وغيره من الثياب مذموم على كل حال وقال النووى الاسبال تحت الكعبين للخيلاء فان كان لغيرها فهو مكروه وهكذا نص الشافعى على الفرق بين الجر للخيلاء ولغير الخيلاء. قال: والمستحب ان يكون الازار الىٰ نصف الساق والجائز بلا كراهة ما تحته الىٰ الكعبين ومانزل عن الكعبين ممنوع.

(فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۶ کتاب اللباس، بذل المجہود ج ۵ ص ۵۴)

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحب بذل المجہود نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ ٹخنے ڈھکنا تکبر کی وجہ سے ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور بغیر تکبر کے ہو تو احادیث ظاہراً اس کی حرمت پر دلالت کر رہی ہیں۔

علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ بغیر تکبر کے ٹخنے ڈھکنے کو یہ وعید لاحق نہیں ہوتی مگر قمیص یا اسکے علاوہ کوئی اور کپڑا جس سے ٹخنے ڈھک جائیں یہ ہر حال میں مذموم ہے، اور امام نوویؒ کے نزدیک حرمت تکبر کی نیت سے آئیگی اور بغیر تکبر کے بھی پائنچے نیچے کرنا قابل ترک ہے۔ اور اسی طرح کی عبارت امام شافعیؒ کی طرف بھی منسوب ہے کہ وہ بھی تکبر اور غیر تکبر کا فرق کرتے ہیں۔ پسندیدہ بات یہ ہے کہ شلوار آدھی پنڈلی تک ہوں اور اس سے نیچے رکھنا بلا کراہت کے جائز ہے ٹخنوں سے اوپر اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ ممنوع ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد احادیث اور آثار اس مسئلہ میں پیش کئے ہیں

جس کا مطلب اور مفہوم یہی ہے کہ ٹخنے ڈھکنا گناہ ہے۔

چنانچہ غور فرمائیں:

عن ابن عمران رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء. (بخاری ج ۲ ص ۸۶۰)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اس شخص کی طرف جو اتراتے ہوئے اپنے ٹخنے ڈھکے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال مااسفل من الکعبین من الازار فی النار
(بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ باب مااسفل من الکعبین فی النار)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ازار (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوا وہ جہنم میں ہوگا۔

اس حدیث میں مطلق وعید آئی ہے کہ جس کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں تو وہ حصہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔ اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہ کہنا کہ پائنچے اوپر کرنے کا حکم صرف نماز کے اندر ہے یہ حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

اور سالم ابن عبداللہ کی روایت میں اس سے بھی زیادہ سخت وعید ہے جو اس مسئلہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حد ثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجر ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیٰمۃ
(بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ باب من جر ثوبہ من الخیلاء)

ترجمہ: حضرت سالم ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ انکے والد نے انکو حدیث سنائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی تھا جو (تکبرا) اپنے ٹخنے ڈھک کر چلتا تھا، اسکو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منھا وایاکم)

یہ حدیث اس مسئلہ میں حرف آخر ہے، کیونکہ اتنی بڑی وعید کے بعد کوئی بھی مسلمان ٹخنے ڈھکے رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ حدیث میں واضح ارشاد ہے کہ ایک شخص کی ازار نیچے رہتی تھی اور وہ مانتا نہیں تھا تو وہ زمین میں دھنستا چلا گیا اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

اور وہ حدیث مبارکہ جس سے فریق مخالف کو مغالطہ ہوا وہ ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری شریف میں ہے:

عن سالم عن ابیه عن النبی ﷺ قال من جر ثوبه خیلاء لم ینظر اللہ الیه یوم القیٰمة فقال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنه یا رسول اللہ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاهد ذٰلک منه فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعه خیلاء. (بخاری ج۲ص۸۶۰)

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد اور وہ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو تکبرا اپنے ٹخنے ڈھکے گا اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا روز قیامت، پس حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میری ازار کا ایک کنارہ بغیر ارادہ کے نیچے ہو جاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ان میں سے نہیں جو ایسا کیا کرتے ہیں۔

ازالہ مغالطہ:

(۱)　مذکورہ بالا روایت میں جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ فرمایا کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کرتے ہیں۔

(۲)　معمر کی روایت میں زید ابن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا ہمیشہ نہیں:

ووقع في رواية معمر عن زيد ابن اسلم عند احمد "ان ازاري يسترخي احيانا "فكأن شده كان ينحل اذا تحرك بمشي او غيره بغير اختياره ،فاذا كان محافظا عليه لا يسترخي لأنه كلما كاد يسترخي شده. (فتح الباری ج۱۱ص۲۲۶ کتاب اللباس)

ترجمہ: کہ "میری ازار کبھی کبھی ٹخنوں تک ہو جاتی ہے" جب حضرت ازار کو کس لیتے تو وہ کھسکتی تھی چلنے کی وجہ سے یا اسکے علاوہ حرکت کرنے سے بغیر کسی ارادہ کے، پس جب حضرت دھیان رکھتے تو کبھی بھی نہیں کھسکتی تھی، جب جب حضرت کے پائنچے نیچے ہوتے تو حضرت اسے فوراً کس لیتے۔

حضرت طلحہ ابن عبد اللہ کے طریق میں اور بھی وضاحت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں معذور بالماجور تھے۔

وأخرج ابن سعد من طريق طلحة ابن عبد الله بن عبد الرحمن بن ابى بكر عن عائشة رضى الله عنها قالت" كان ابو بكر أحنىٰ لا

یستمسک ازاره یسترخی عن حقویه"ومن طریق قیس ابن حازم قال "دخلت علی ابی بکر و کان رجلا نحیفا" (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۲۶)

ترجمہ: حضرت طلحہ ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دبلے پتلے وجود کے حامل تھے اپنی ازار کو روک نہیں سکتے تھے وہ کھسک جاتی تھی آپ کی کوک سے۔

اور قیس ابن ابی حازم کے طریق میں ہے فرمایا: کہ میں آیا حضرت ابوبکر کے پاس وہ بہت ہلکے پھلکے بدن کے حامل تھے۔

دریں مسئلہ شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مزید عبارات ملاحظہ فرمائیں:

والنص الذی اشار الیه ذکره البویطی فی مختصره عن الشافعی رحمه الله قال لا یجوز السدل فی الصلاة ولا فی غیر ها للخیلاء ولغیرها الخ (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۶)

پہلی بات:

یہاں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ،،لا یجوز،، کا لفظ فرمایا ہے کہ جائز ہی نہیں ہے اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ سدل چاہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور چاہے تکبر کی وجہ سے ہو یا بغیر تکبر کے ہر صورت ناجائز ہے۔

جب سدل کا یہ حکم ہے تو پائنچوں کا تو بدرجۂ اولی حکم قطعی ہونا چاہئے

دوسری بات :

یہ کہ ٹخنے ڈھکنا تکبر سے ہو یا غیر تکبر سے ہو دونوں صورتوں میں منع مطلقاً ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو یہ منع ہے اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے یہ بات بالکل غلط ہے اسلئے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو منع فرمایا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ میں تکبر نہیں تھا پھر انکو منع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

وفی حدیث. اشعث بن الشعثاء. قال کنت امشی وعلی برد اجره فقال لی رجل ارفع ثوبک فانه انقی وابقی فنظرت فاذاهو النبی ﷺ فقلت انماهی بردةملحاء فقال امالک فیّ اسوة؟قال فنظرت فاذا ازاره الیٰ انصاف ساقیه وسنده قبلها جید.

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷)

ترجمہ: اشعث ابن شعثاء کی حدیث میں ہے فرمایا میں ایک چادر اوڑھ کر جارہا تھا کہ مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ اپنا کپڑا اوپر کرو یہ بہت پاکیزگی اور تقویٰ کا باعث ہے میں نے کہا یہ تو چتکبرے رنگ کی چادر ہے تو انہوں نے کہا کیا تمہارے لئے سنت نہیں ہے؟ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ جناب نبی کریم ﷺ ہیں انکی تہہ بند مبارک آدھی پنڈلی تک تھی۔

وفی قصّة قتل عمر انه قال للشاب الذی دخل علیه ارفع ثوبک فانه أنقی لثوبک وأتقی لربک (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷)

ترجمہ:　حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان آدمی سے کہا کہ اپنا کپڑا ٹخنوں سے اوپر کرو یہ تمہارے کپڑے کیلئے پاکیزگی کا باعث ہے اور اپنے رب سے ڈرنے کا ذریعہ ہے۔

قال ابن العربی لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبه کعبه ،ویقول لا أجره خیلاء ،لان النهی قد تناوله لفظا،ولا یجوز لمن تناوله اللفظ حکما ان یقول لا أمتثله لان تلک العلة لیست فیّ،فانها دعویٰ غیر مسلمة بل أطالته ذیله دالة علی تکبره .وحاصله ان الاسبال یستلزم جر الثوب وجر الثوب یستلزم الخیلاء ولو لم یقصد اللابس الخیلاء.　（فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷）

ترجمہ:　ابن العربی فرماتے ہیں کسی شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے سے اپنے ٹخنوں کو ڈھانپ لے اور کہے کہ میں نے ایسا تکبر کی وجہ سے نہیں کیا اسلئے کہ ممانعت لفظا وارد ہوئی ہے اور اس شخص کیلئے ایسا کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ میں متکبر جیسا نہیں ہوں اسلئے یہ علت مجھ میں نہیں نہیں پائی جاتی؛ یہ دعویٰ نرا غلط ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اسبال مستلزم ہے کپڑا ٹخنوں سے نیچے کرنے کو، اور ٹخنوں سے کپڑے کا نیچے ہونا تکبر اور گھمنڈ کو لازم ہے اگرچہ پہننے والا تکبر کا ارادہ نہ کرے۔

واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة بینمانحن مع رسول اللہ ﷺ اذ لحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار ورداء قداسبل فجعل رسول اللہ ﷺ یأ خذ بناحیة ثوبه ویتواضع للہ ویقول عبدک و ابن عبدک وامتک حتیٰ سمعها عمرو فقال یارسول اللہ

انی حمش الساقین فقال یاعمرو ان اللہ قداحسن کل شیء خلقه یاعمرو ان اللہ لایحب المسبل. (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۷)

ترجمہ: امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ ہم ایک مرتبہ جناب نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عمرو ابن زرارہؓ ازار اور چادر لپیٹے ہوئے اور ازار نیچے گھسٹ رہی تھی پس جناب نبی کریم ﷺ نے انکے کپڑے کا کنارہ پکڑا اور اللہ کیلئے تواضعا اختیار فرمائی اور فرمایا اے اللہ تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا۔ یہاں تک کہ عمرو نے سنا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں موٹی پنڈلی والا ہوں پس آپ نے فرمایا کہ اے عمرو اللہ تعالیٰ نے ہر خلقت کو خوبصورت بنایا ہے، اے عمرو اللہ تعالیٰ شلوار نیچے لٹکانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

واخرجه الطبرانی ایضا فقال عن عمرو بن زرارة وفیه وضرب رسول اللہ ﷺ بأربع أصابع تحت رکبة عمرو فقال یا عمرو هذا موضع الأزار الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء. (فتح الباری ج ۱۱ص ۴۳۷)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک اور روایت تخریج فرمائی آپ نے حضرت عمرو ابن زرارہ سے فرمایا اور اس میں یوں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی چار انگلیاں عمرو کے گھٹنے سے نیچے رکھ کر فرمایا کہ اے عمرو! یہاں تک ازار رکھو۔ اور یاد رہے کہ عمرو نے تکبرا پائنچے نہیں لٹکائے تھے۔

واخرج النسائی وابن ماجه وصححه ابن حبان من حدیث

المغيرة بن شعبة رأيت رسول الله ﷺ اخذ برداء سفيان بن سهيل وهويقول ياسفيان لاتسبل فان الله لايحب المسبلين‘‘

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۷)

ترجمہ: نسائی و ابن ماجہ کی روایت ہے اور ابن حبان (جو جرح و تعدیل کے امام ہیں) نے اسکو صحیح کہا ہے مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا سفیان ابن سہیل کی چادر پکڑے ہوئے اور فرمار ہے تھے اے سفیان! پائنچے نیچے نہ کرو پس اللہ تعالیٰ پائنچے نیچے کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

احادث کی دیگر مشہور کتب اور ان کی شروحات میں بھی یہ مسئلہ تفصیل سے درج ہے ان میں سےحدیث کی مشہور کتاب ’’مصنف ابن ابی شیبہ‘‘ میں اس مسئلہ سے متعلق متعدد احادیث مذکور ہیں ملاحظہ فرمائیں

عن ابراهيم عن ابن مسعود قال دخل شاب علىٰ عمر فجعل الشاب يثنى عليه قال فرآه عمر يجر ازاره قال فقال له يا ابن اخى ارفع ازارك فانه اتقى لربك وانقى لثوبك قال فكان عبدالله يقول ياعجباً لعمر ان رأى حق الله عليه فلم يمنعه ماهو فيه ان تكلم به

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۷)

ترجمہ: ابراہیم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ حضرت کے قریب ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکے پائنچے دیکھے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہے ہیں تو اس سے فرمایا اے بھتیجے اپنی ازار اوپر کرو یہ تمہارے

رب سے ڈرنے کا باعث ہے اور تمہارے کپڑے کے کیلئے پاکیزگی کا۔

عن سليمان بن مسهر عن خرشة ان عمر دعابشفرة فرفع ازار رجل عن كعبيه ثم قطع ما كان اسفل من ذالك قال فكانى انظر الى ذباذبه تسيل على عقبيه (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۹)

ترجمہ: راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استرا منگوایا اور ایک آدمی کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کر کے وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے تھا کاٹ کر الگ کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں جہنم کے انگارے اس کے پاؤں میں لپٹتا دیکھ رہا تھا۔

واسبال الازار تدفع المدح وتمانع الرفعة المدينية لان ذالك منهى عنه علىٰ سبيل الحرمة تارة والكراهة اخرى .

(دلیل الفالحین ج ۳ ص ۲۵۱)

ترجمہ: اور شلوار یا ازار کا ٹخنوں سے نیچے ہونا خوبی کو دور کر دیتا ہے اور شہری ترقی کو روکتا ہے اسلئے کہ یہ حرمت کے قبیل سے ہے۔

وروى احمد عن انس عن رسول الله ﷺ قال الازار الىٰ نصف الساق والى الكعبين لا خير فى اسفل من ذالك

(مسند امام احمد ج ۱۹ ص ۴۱۵ حدیث ۱۲۴۲۴)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ پائنچے نصف پنڈلی تک اور ٹخنوں سے اوپر ہونا ضروری ہے اس سے نیچے کرنے میں خیر نہیں ہے۔

اعلاء السنن کے مصنف نے بھی اس کو حرام کہا ہے اور اس پر احادیث مبارکہ کو

دلیل کی حیثیت سے پیش کیا ہے

یحرم اطالة الثوب والازار والسراویل علی الکعبین للخیلاء ویکره لغیر الخیلاء نص علیه الشافعی وصرح به الاصحاب ویستدل له بالاحادیث الصحیحة المشهورة (اعلاء السنن ج ۱۷ص ۳۶۶)

ترجمہ: اتنے لمبے کپڑے، ازار اور شلوار کہ جس سے ٹخنے چھپ جائیں حرام ہے اگر تکبر کی وجہ سے ہو اور مکروہ ہے اگر تکبرا نہ ہو اور اس مسئلہ میں علماء صراحت فرما چکے ہیں صحیح احادیث سے استدلال کیا جا چکا ہے۔ (یعنی تکبر کی قید احترازی ہے نہ کہ لازمی)

والاسبال عندنا ممنوع ولو کان من غیر خیلاء الا ان یکون من غیر اختیاره لعدم التعاهد والغفلة عنه بسبب المشی اوغیره بشرط ان لایتمادی علی ذالک ویتدارکه بعد التنبیه (فتح الملہم ج ۲ص ۱۴۵)

ترجمہ: پائنچے نیچے کرنا ہمارے ہاں اسکی (شدید) ممانعت ہے اگر چہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو مگر یہ کہ بلا ارادہ نیچے ہو جائے بے دھیانی کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے چلنے پھرنے سے یا اور کسی حرکت سے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس پر آمادہ نہ ہو اور فوراً تنبیہ کے بعد اسکا تدارک کرے۔

مذکورہ بالا احادیث کے بعد مفتی عبدالعزیز (دارالعلوم امجدیہ) کا فتویٰ جو کہ مسئلہ اسبال الازار (پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنا) میں جتنی احادیث اور عبارت نقل کی گئی ہیں ان تمام کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس قسم کے فتویٰ لکھے جاتے ہیں۔ اس فتویٰ میں جو احادیث نقل کی گئیں ہیں وہ تمام دوران نماز اس قسم کا عمل کرنے کے بارے میں ہیں، جو کہ عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ چونکہ

مولوی صاحب نے اسبال ازار اور کف الثوب میں فرق نہیں کیا کف الثوب کا مطلب ہے کہ نماز کے اندر کپڑا اسمیٹنا اس لئے مکروہ ہے کہ یہ نماز کے منافی ہے باقی مسئلہ رہا نماز سے پہلے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کرنا یہ کف الثوب میں شامل نہیں اور نہ ہی آج تک کسی فقیہ نے یہ بات کی ہے اگر مولوی صاحب یہ بات ثابت کریں کہ نماز سے پہلے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کرنا ممنوع ہے نیچے ہونا چاہئے لیکن یہ عبارت نہیں ملے گی اور وہ کبھی ثابت نہیں کرسکیں گے اور یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ نماز کے اندر شلوار کو نیفے میں دبانا نماز کے منافی ہے اسلئے یہ مکروہ ہے لیکن نماز سے قبل کوئی شلوار کو نیفے میں دبالیں تو یہ صحیح ہے اسکو کسی فقیہ نے منع نہیں کیا اور نہ ہی مولوی صاحب اس بارے میں کوئی حوالہ پیش کرسکتے ہیں۔

ومن ادعی فعلیہ البیان

رہا مسئلہ ٹخنوں کو ننگا رکھنے کا تو اس سلسلے کی کوئی بھی واضح عبارت فتویٰ میں موجود نہیں ہے۔ ہم اس مسئلہ کا پورا جائزہ پیش کررہے ہیں، اور تمام احادیث جن میں ٹخنے ڈھکے رکھنے کی سخت وعیدیں آئی ہیں فتویٰ میں پیش کررہے ہیں۔

۵۰۰ علماءِ کرام کا مرتب کردہ ''فتاویٰ عالمگیری'' نے اس بات کی صاف وضاحت کی ہے کہ ٹخنوں کا ڈھکے رکھنا یہ بدعت ہے اور ضروری ہے کہ پائنچے نصف پنڈلی تک ہوں۔ اور واضح رہے کہ اس میں نماز کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ نماز کے علاوہ بھی ٹخنے ڈھکے رکھنا بدعت ہے۔

تقصیر الثیاب سنة واسبال الازار والقمیص بدعة ینبغی ان

یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۳)

ترجمہ: کفایت والے کپڑے سنت ہے اور ازار وقمیص کا ٹخنوں سے نیچے کرنا بدعت (حرام) ہے اور لازم ہے کہ ازار (یاشلوار) ٹخنوں سے اوپر ہوں آدھی پنڈلی تک۔

فقہ کی سب سے مشہور اور معروف کتاب فتاویٰ شامی میں اس کو مکروہ کہا گیا ہے، اور اس سلسلے میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اساس ہے کہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مکروہ، حرام ہے۔

ویکرہ للرجال السراویل التی تقع علی ظہر القدمین عتابیہ

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۲۴)

ترجمہ: اور مکروہ (حرام) ہے مردوں کیلئے ایسے شلواریں پہننا جو ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

اور جہاں تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کے پانچے ٹخنوں سے نیچے ہوتے تھے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خفیف البدن تھے جس کی وجہ سے ان کے پانچے ٹخنوں سے نیچے ہوتے تھے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میرا ایک پائنچہ نیچے ہوتا تھا غیر اختیاری طور پر تو میں نے حضرت سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں ہیں۔ تو اپنے آپ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قیاس کرنا بڑی حماقت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۶)

اور کسی کا یہ کہنا کہ ٹخنے تکبر کی وجہ سے ہوں تو منع ہے ورنہ نہیں یہ بات آج تک کسی فقیہ نے نہیں کہی بلکہ فقہاء نے مطلقاً ممنوع لکھا ہے اور انکی عبارات روز روشن کی طرح

واضح ہیں۔

اور اسی طرح یہ سمجھنا کہ پائنچے صرف شلوار یا ازار کے مراد ہیں اور کسی کپڑے کا اوپر رکھنا جیسے پتلون یا پائجامہ وغیرہ کا ضروری نہیں ہے؛ یہ بھی سنت سے ناواقفیت اور روگردانی کی دلیل ہے۔لہٰذا بخاری شریف کے حنفی شارح علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اپنی شرح عمدۃ القاری میں رقم طراز ہیں فرماتے ہیں:

قوله "من جر ثوبه "يدخل فيه الازار والرداء والقميص و السراويل والجبة والقباء وغير ذلك مما يسمى ثوبا بل ورد فى الحديث دخول العمامة فى ذلك . (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۹۵)

ترجمہ: ''جس نے اپنا کپڑا (ٹخنوں سے) نیچے کیا'' داخل ہے اس میں تہہ بند، چادر، قمیص، شلوار، جبہ، عباء اور اسکے علاوہ وہ سب جس کو لباس کہا جاتا ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں عمامہ بھی لباس میں داخل ہے۔

عن سالم عن ابيه عن النبى ﷺ قال من جر ثو به خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيٰمة فقال ابو بكر الصديق يا رسول الله ان احد شقى ازارى يستر خى الاان اتعاهد ذالك منه فقال النبى ﷺلست ممن يصنعه خيلاء (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۰ باب من جر ازارہ من غیر خیلاء)

حضرت سالم اپنے والد سے اور وہ جناب نبی کریم ﷺ سے فرمایا جس نے اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے کیا تکبراً اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا پس حضرت ابو

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میرا ایک پائنچہ ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا ہے میں یہ ارادۃً نہیں کرتا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ متکبرین میں سے نہیں ہیں۔

اسکی مزید وضاحت باحوالہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

وسبب استرخائه كون ابي بكر رجلا احنى نحيفالا يستمسك فازاره يسترخي عن حقويه. (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۹۵)

ترجمہ اور وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

واخرج الطبراني بسند حسن عن ابن مسعود انه رأى اعرابياً يصلي قد أسبل فقال المسبل في الصلاة ليس من الله في حل ولا حرام (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۲۹ کتاب اللباس)

ترجمہ: اور طبرانی کی روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دیہاتی کو دیکھا کہ اسکے پائنچے نیچے ہیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا نماز میں پائنچے نیچے کرنے والا۔

عن مجاهد قال كان يقول من مس ازاره كعبيه لم تقبل له صلاة قال وقال زر: من مس ازاره الارض لم تقبل له صلاة ،

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۷)

ترجمہ: امام مجاہد سے مروی ہے فرمایا کرتے تھے جسکی ازار (یا شلوار) ٹخنوں کو چھولے تو اسکی نماز قابل قبول نہیں ہوگی۔ اور فرمایا زر (ابن حبیش) نے کہ جسکی ازای زمین کو چھولے تو اسکی نماز قابل قبول نہ ہوگی (یعنی مردود ہوگی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ماقبل میں گزری ہے "لا ینظر اللہ ......الخ" اس روایت کے ذیل میں ملا علی قاریؒ اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ

"ای نظر رحمة، فیکون الحدیث محمولا علی المستحل ،او علی الزجر او مقیدا بابتداء الامر ،ویجوز ان یراد لا ینظر نظر لطف وعنایة. "الی من جر ازاره بطرا" ان تکبرا او فرحا وطغیانا بالغنی ، قال ابن الملک ویفهم منه ان جره لغیر ذلک لا یکون حراما ، لکنه مکروه کراهة تنزیه. (مرقات ج ۸ ص ۱۲۸)

ترجمہ: نظر سے مراد نظر رحمت ہے پس اس حدیث کو محمول کیا جائے گا حلال سمجھنے والے پر یا زجر و توبیخ پر یا مقید کیا جائیگا ابتداء حکم پر اور یہ بھی جائز ہے کہ نظر سے مراد نظر محبت اور نظر عنایت لی جائے اس شخص کی طرف جو اپنی ازار تکبر کے ساتھ (زمین سے) گھسیٹے ،البتہ تکبر، اترانا اور اکڑ خانی و سرکشی مالداری کیوجہ سے ہے یا یہ کہ بے پرواہی کی وجہ سے۔اور ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ پائنچے گھسیٹنا اگر ان وجوہات کی بناء پر ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

ایک بات تو یہ کہ احناف کے نزدیک (متقدمین ومتاخرین) سب کے نزدیک مکروہ کا اطلاق حرام ہی پر ہوتا ہے یعنی واجب الترک جیسا کہ امام محمد سے منقول ہے۔(فتاویٰ عالمگیری، ہدایہ) اور دوسرا یہ کہ اگر پائنچے نیچے لٹکانا تکبر وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے تو عذر کی وجہ سے ہوگا اور عذر کی وجہ سے پائنچے نیچے کرنا تو بالاتفاق مباح ہے جیسے کوئی زخم ہو اور اس کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری ہے مکھیوں سے یا گرد وغبار سے بچانے کیلئے یا کوئی

اور تکلیف ہو۔

تیسرے یہ کہ حرمت کیلئے تکبر کی قید لگانا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت لیا گیا ہے جبکہ مسند ابی یعلیٰ میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک نوجوان کو بد بخت کہہ کر بلا رہے ہیں کہ اسکی ازار ٹخنوں سے نیچے ہے۔ روایت میں ہے:

قد اخرجه ابو يعلىٰ فى مسنده .....سمعت خالد ابن كيسان قال كنت مع عبد ابن عمر رضى الله عنهما قاعدا ، فمر فتىً يجر سبله فقال له: ادع هذا ، ادع هذا الشقى ، قال فدعوته قال: فقال له ارفع ازارك قال: فرفعه الى فوق عقبه فقال ابن عمر هكذا ازر رسول الله صلى الله عليه وسلم او قال هكذا امرنا رسول الله ﷺ ان نأتزر . (رواة كلهم رواة الصحيحين)

ترجمہ: امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے کہ راوی فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لڑکا پائنچے گھسیٹتا ہوا گزر رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسکو بلاؤ، اس بد بخت کو بلاؤ، پس میں نے اسکو بلایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اپنی ازار اوپر کرو تو اس نے اپنی ازار اپنی پنڈلی تک کر لی پھر فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازار ہوتی ہے یا یوں فرمایا کہ اسی طرح ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس طرح ازار پہنیں۔

یہاں روایت میں صراحت موجود ہے کہ پیغمبر ﷺ نے پائنچے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

قول فیصل:

اب حرف آخر اور کلام موثوق اور قول فیصل کے طور پر حضرت اقدس امام العص محدث العالم حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا کلام اور اور ان کی شرح بغو ملاحظہ فرمائیں کہ جس سے تمام ترددات رفع ہونگیں۔

قوله:"من جر ثوبه خيلاء "وجر الثوب ممنوع عندنا مطلقا ،فهو اذن من احكام اللباس وقصر الشافعية النهى على قيد المخيلة ،فان كان الجر بدون التكبر ،فهو جائز،وأذن لا يكون الحديث من احكام اللباس ،والاقرب ما ذهب اليه الحنفية،لان الخيلاء ممنوع فى نفسه ،ولا اختصاص له بالجر ،واما قوله ﷺ لابى بكر :انک لست ممن يجر ازاره خيلاء ،ففيه تعليل بأمر مناسب ،وان لم يكن مناطا ،فعلة الاباحة فيه عدم الاستمساک الا بالتعهد ،الا أنه زاد عليه بأمر يفيد الاباحة ،ويؤكدها ولعل المصنف ايضا يوافقنا ،فانه اخرج الحديث فى اللباس ،وسؤال ابى بكر ايضا يؤيد ما قلنا ،فانه يدل على انه حمل النهى على العموم ،ولو كان عنده قيد الخيلاء،مناطا للنهى،لماكان لسؤاله معنى والتعليل بامر مناسب طريق معهود ولنا ان نقول ايضا:ان جر الازار خيلاء ممنوع لمن يستمسک ازاره فليس المحط الخيلاء فقط. (فیض الباری ج ۴ص ۳۷۳،۳۷۴)

ترجمہ : پیغمبر ﷺ کا یہ فرمان کہ ”جس نے اپنا کپڑا تکبرا گھسیٹا“ فرمایا کہ کپڑا نیچے کرنا (ٹخنوں سے) ہمارے نزدیک مطلقا منع ہے اور وہ ایک حکم ہے احکام لباس میں سے، اور شوافع نے نہی کو مقید کیا ہے تکبر کے ساتھ اگر تکبر نہ ہو تو جائز ہے۔ تو اس طرح کا حکم احکام لباس میں سے نہ ہوگا، اور سنت کے زیادہ قریب وہ بات ہے جس کی طرف احناف گئے ہیں، اسلئے کہ تکبر تو علیحدہ بذاتہ منع ہے اسکا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے (پائنچے) گھسٹنے کے ساتھ ،اور جہاں تک بات ہے رخصت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کہ جو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر سے کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبرا اپنے پائچے زمین سے گھسیٹتے ہیں، اس میں تعلیل یہ ہے کہ اباحت اس میں کنارہ نہ روکنے کی بغیر تعہد کے نہیں ہے یعنی جان بوجھ کر کرنے کی اجازت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ تھی اور دوسرا یہ کہ اس میں جو حکم ہے وہ اباحت کا فائدہ دے رہا ہے جو کہ اس حکم اور بھی پختہ کر رہا ہے، امید ہے کہ مصنف رحمہ اللہ کا قول بھی ہمارے قول کے موافق ہو جائے کہ انہوں نے حدیث نکالی ہے کتاب اللباس میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سوال پوچھنا بھی ہمارے قول کی تائید کر رہا ہے کہ اصل حکم منع کا ہے اسی وجہ سے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بوجہ خشیت کے سوال پوچھا، پس حضرت کا سوال کرنا ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جر ازار میں نہی وارد ہوئی ہے اگر اس میں تکبر کی قید ہوتی تو سوال پوچھنا لغو ہو جاتا کیونکہ یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں تکبر کا شبہ بھی نہیں تھا۔

اور جر ازار کا یہ حکم مردوں کیلئے ہے، عورتوں کیلئے نہیں ہے، ازار میں بہتر یہ ہے کہ وہ نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں تک رکھنا جائز ہے، البتہ ٹخنے کھلے رہنے چاہئیں، امام نسائی

رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ ﷺ کی روایت نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسکی تصحیح کی ہے، اسکے الفاظ ہیں:

"عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ موضع الازار الى انصاف الساقين والعضلة فان ابيت فاسفل ،فان ابيت فمن وراء الساق ولا حق للكعبين فى الازار" (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۴ باب موضع الازار)

ترجمہ: تہہ بند لٹکانے کی جگہ نصف پنڈلی ہے، وہاں تک نہ ہو سکے تو کچھ پیچھے رکھیں، اس پر بھی عمل نہ ہو سکے تو پنڈلی کے آخر تک رکھیں اور ٹخنوں کا تہہ بند میں کوئی حق نہیں۔

باب کی دوسری روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی حلہ (جوڑا) پہنے ہوئے جا رہا تھا، عجب میں مبتلا تھا، سر کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا رہے گا۔

اس حدیث میں جس شخص کے زمین کے اندر قیامت تک دھنسنے کا ذکر ہے، کلاباذی نے کہا ہے اس سے مراد قارون ہے

وجزم الكلاباذى فى معانى الاخبار بانه قارون (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۲)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف حدیث میں بھی قارون کا نام آیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۳۳)

جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اکڑ خانی اور تکبر کے ساتھ رہنے والے کی سزا ایسی ہے کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے،

جبکہ اس باب میں اسبال الازار کی دو احادیث میں سے ایک مقید ہے تکبر کے

ساتھ لٹکانے پر اور دوسری حدیث میں مطلقا ممانعت ہے ان میں سے ہر دو کے درمیان پائنچے اوپر کرنے کا حکم عام ہے نہ کہ رخصت اور ان میں سے ہر دو حدیث کا روئے سخن ممانعت اسبال ہے لہٰذا حکم عام کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقا حرمت اسبال الازار کا فتویٰ دینا ضروری ہے۔

اتنی صریح ممانعتیں اور وعیدوں کے باوجود بھی اسبال الازار کے مسئلہ کو معمولی اور غیر مقصودہ سمجھنا یا یہ کہنا کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا یہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہونے والی بات اور نری حماقت ہے، اور اس طرح کے فتاویٰ جس سے صریح قرآن واحادیث کی خلاف ورزی ہو وہ فتاوے نا قابل قبول اور نا قابل عمل ہیں۔

(مقدمہ فتاویٰ شام)

جس سنت کو پس پشت ڈالنے سے اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھ رہا، جس اہم مہم اطاعت کیلئے جناب نبی کریم ﷺ زمین میں بیٹھ گئے اور صحابی کے پیروں میں ہاتھ رکھ کر مسئلہ سمجھا رہے ہیں، جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بوقت شہادت نوجوان صحابی کو پائنچے اوپر رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں اور جس مسئلہ کی اہمیت دل میں بٹھانے کیلئے رسالت مآب ﷺ نے صحابی سے تین مرتبہ وضو بھی کروایا اور نماز بھی سہ بارہ پڑھوائی؛ ایسے واجب جو بالعمل فرض ہے باجماع امت اسکے بالمقابل فتویٰ دینا یا لوگوں کو اس سے دور کرنا اللہ کے دین اور اسکے رسول کی تعلیمات کو سپرد خاک کرنے کے مترادف ہے۔ اور واضح دین دشمنی کی علامت ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

یا غافر الذنوب

١٤١٧

غزوات النبی ﷺ

جنابِ نبی کریم ﷺ کے غزوات اور ان کی تعداد و تفصیل

تعداد غزوات

موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابن جوزی، دمیاطی، نے غزوات کی تعداد ستائیس (۲۷) بتائی ہے۔

سعید بن مسیب سے چوبیس (۲۴)

حضرت جابر بن عبداللہ سے اکیس (۲۱)

زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے انیس (۱۹) کی تعداد مروی ہے۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں، وجہ اختلاف یہ ہے کہ بعض علماء نے چند غزوات کو قریب قریب اور ایک سفر میں ہونے کی وجہ سے ایک غزوہ شمار کیا اس لئے ان کے نزدیک غزوات کی تعداد کم رہی اور ممکن ہے کہ بعض کو بعض غزوات کا علم نہ ہوا ہو۔

پہلا غزوہ ابواء :

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ شروع صفر ۲ ھ میں ساٹھ مہاجرین کو جن میں کوئی انصاری نہ تھا اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنو ضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ سعد بن عبادہؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب آپ ﷺ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر

واپس ہوئے۔ کچھ شرائط طے ہوئیں۔ اور وہ یہ کہ بنوضمرہ مسلمانوں کے ساتھ نہ جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی مدد کریں گے، اور ضرورت کے وقت مسلمانوں کی مدد کریں گے، اس سفر میں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

غزوۂ بواط :

آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جا رہا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ ماہ ربیع الاول ۲ھ یا ربیع الثانی میں دوسو صحابہ کرام کو لے کر قریش کے اس قافلے پر حملہ کرنے کیلئے بواط کی طرف روانہ ہوئے اور سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو جو سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ قریش کے قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور امیہ بن خلف اور سو آدمی قریش کے تھے، جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے، آپ ﷺ بغیر جنگ وجدال مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ عشیرہ :

اثناء جمادی الاولیٰ ۲ھ میں آپ نے دوسو مہاجرین کو لے کر قریش کے قافلے پر حملہ کرنے کے لئے عشیرہ کی طرف خروج فرمایا۔ جو ینبع کے قریب ہے اور مدینہ میں ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور سواری کیلئے تیس (۳۰) اونٹ تھے، جس پر صحابہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ وہاں پہنچنے سے کئی روز پہلے قافلہ نکل چکا تھا، آپ ﷺ بقیہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے چند ایام وہیں قیام پذیر رہے، اور بنی

مدلج سے معاہدہ کر کے بغیر جنگ کے واپس ہوئے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلا کونسا غزوہ پیش آیا۔ محمد بن اسحاق اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ابواء پھر بواط پھر عشیرہ اور اسی ترتیب کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری میں اختیار فرمایا ہے، اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ غزوہ عشیرہ ہے۔

غزوۂ بدر اولیٰ :

غزوۂ عشیرہ سے واپسی کے بعد تقریباً دس روز آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا ہوگا، کہ کُرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراہ گاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کی اونٹ اور بکریاں لے بھاگا۔ آپ ﷺ یہ خبر سنتے ہی اس کے تعاقب میں مقام سفوان تک گئے لیکن آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہ وہاں سے نکل چکا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے واپس مدینے کی طرف مراجعت فرمائی، مقام سفوان بدر کے قریب ہے، اس لئے آپ ﷺ ان کے پیچھے بدر تک گئے، اس لئے اس غزوہ کو غزوہ بدر اولیٰ کہتے ہیں، اس وقت مدینہ میں آپ ﷺ نے اپنا نائب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، کُرز بن جابر بعد میں مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں شہید ہوئے۔

غزوۂ بدر کبریٰ :

یہ غزوۂ غزوات اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر اور شرک کی ذلت کی ابتداء بھی اس غزوہ سے ہوئی۔ اور مسلمانوں کو

بے سروسامانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فتح نصیب فرمائی، اور کفر اور شرک پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کی دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی میدان بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے

شروع رمضان میں رسول ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلہ تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور فرمایا یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے تم اسکی طرف نکلو۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمائے، چونکہ جنگ وجدال اور قتل وقتال کا وہم گمان بھی نہ تھا اس لئے بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے، ابوسفیان کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اور ہر راہ گیر سے آپ ﷺ کے حالات اور خبریں دریافت کرتا۔ یہاں تک کہ بعض مسافروں سے اس کو یہ خبر ملی کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو تیرے قافلے کی طرف خروج کا حکم دیا ہے تو ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا اور کہا کہ قریش کو اطلاع دو کہ جس قدر ممکن ہو اپنے قافلے کی خبر لو اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی روانگی :

چنانچہ بارہ (۱۲) رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ صحابہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

کا اور ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور ایک ایک اونٹ دو دو تین تین آدمیوں میں شریک تھا، باری باری سواری کرتے تھے، ابولبابہؓ اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے شریک تھے۔

بیر ابی عنبہ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے) تمام جماعت کا معائنہ فرمایا جو کم عمر تھے ان کو واپس فرما دیا۔ مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کیا۔

اس لشکر میں تین علم تھے ایک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دوسرا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور تیسرا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہ کو قافلہ ابی سفیان کے تجسس کے لئے آگے روانہ کیا۔ ادھر جب ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر مکہ پہنچا۔ تو تمام مکہ میں ہل چل مچ گئی۔ کیونکہ قریش کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا تھا جس کا سرمایہ اس میں شریک نہ ہو۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ابوجہل اس لشکر کا سردار تھا۔ روحا سے چل کر جب آپ مقام صفراء پر پہنچے تو بسبس رضی اللہ عنہ اور عدی رضی اللہ عنہ نے آکر آپ ﷺ کو قریش کی روانگی کی اطلاع دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع فرمایا، اور قریش کی روانگی کی خبر دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جانثاری فرمادی اور دل وجان سے اطاعت کیلئے کمربستہ ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جان وثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر:

یا رسول اللہ امض لما امرک به فنحن معک. واللہ ما نقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ علیه السلام اذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون ولکن اذهب انت وربک فقاتلا انا معکم مقاتلون

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم حدیث ۵۷۸، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۰)

یارسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

"لا نقول کما قال قوم موسیٰ اذهب انت وربک فقاتلا ولکنا نقاتل عن یمینک وعن شمالک وبین یدیک وخلفک فرأیت النبی ﷺ اشرق وجهه وسره" (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۶۴)

ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا۔ یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

ادھر آپ ﷺ اپنے اصحاب کو لیکر بدر پہنچ گئے مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے

چشمہ پر قبضہ کرلیا۔ بخلاف مسلمانوں کے نہ انکو پانی ملا نہ مناسب جگہ ریتیلا میدان تھا لیکن حق تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے تمام ریت جم گئی اور مسلمانوں نے اپنے لئے پانی جمع کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے لڑائی کی تیاری کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ ﷺ کے لئے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا یہ چھپر ایک ایسے ٹیلے پر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔ بعد ازاں آپ نے اصحاب کی صفوں کو سیدھا کیا ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ اور جمعہ کا دن ہے ایک طرف حق کی جماعت اور دوسری طرف باطل کی جماعت میدان فرقان کی طرف بڑھی۔ جب آنحضرت ﷺ نے قریش کی بڑی جماعت کو پورے سازوسامان کے ساتھ میدان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

اللهم هذه قریش قد اقبلت بخیلا ئها وفخر ها تحا دک وتکذب رسولک اللهم فنصر ک الذی وعد تنی اللهم فاحنهم الغداة

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۵)

اے اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا ہے تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے اے اللہ اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا، اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔

آغاز جنگ :

جب جنگ کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے مشرکین میں سے عتبہ بن ربیعہ اپنے

بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔ لشکر اسلام میں سے تین اشخاص مقابلے کے لئے نکلے ۔عوفؓ معوذؓ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا ''رھط من الانصار'' ،گروہ انصار میں سے ہیں عتبہ نے کہا'' ما لنا بکم من حاجة '' ہم کو تم سے مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں اور آواز دی۔

''یا محمد اخرج الینا اکفاء نا من قومنا ''

(سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۴۰۱)

اے محمد ہماری قوم میں سے ہماری جوڑ کے ہم سے لڑنے کو بھیج

آنحضرت ﷺ نے انصار کو حکم دیا صف قتال کی طرف واپس آجائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدة بن حارث رضی اللہ عنہ کو نام لے کر مقابلے کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا جب یہ حضرات مقابلے کے لئے نکلے تو عتبہ نے کہا'' نعم اکفاء کرام'' ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ اسلام کے شیردں نے ان تینوں کافروں کو جہنم کے گھاٹ اتار دیا۔اور عبیدہؓ زخمی ہوگئے، ان تینوں کافروں کے قتل ہونے کے بعد میدان کارزار گرم ہوگیا تو آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے،

اللھم انجز لی ما وعد تنی اللھم ات ما وعدتنی اللھم ان تھلک
ھذہ العصا بة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳)

اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے پورا فرما اور اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جما
عت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی۔ دیر تک ہاتھ پھیلائے یہ دعا فرماتے
رہے۔

اہل اسلام کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا نزول :

مسلمانوں کی امداد کے لئے اول حق تعالیٰ نے ایک ہزار پھر تین ہزار اور پھر پانچ
ہزار فرشتے اتارے، جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ملکر جہاد کیا، اور قریش کے بڑے
بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے۔

بحمد اللہ تعالیٰ فتح مبین پر لڑائی کا خاتمہ ہوا قریش کے ستر آدمی قتل اور ستر گرفتار
ہوئے۔ مقتولین کی لاشوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بدر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا۔
مگر امیہ بن خلف کی لاش اس قدر پھول گئی تھی کہ جب اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس کی
لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اسکو وہیں مٹی میں دبا دیا گیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اس فتح مبین کی بشارت اور خوشخبری سنانے کے لئے
مدینہ منورہ قاصد روانہ فرمائے اہل عالیہ کی طرف عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اور اہل
سافلہ کی طرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں یہ بشارت اس وقت ہمارے کانوں میں پہنچی جس وقت کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی
صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین
کر رہے تھے، ان کی تیمارداری کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو

مدینہ چھوڑا تھا، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے، مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ مدینہ میں رہے تھے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حکما بدر میں شریک تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم :

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے بدر میں تین روز قیام فرمایا، تین روز قیام کے بعد مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مال غنیمت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور قیدیوں کو مدینہ منورہ پہنچ کر صحابہ میں تقسیم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ قیدیوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرو۔ آٹھ صحابہ ایسے تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے، آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے بعد فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اس جنگ میں چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر :

غزوۂ بدر کی مراجعت کے بعد شروع شوال میں سلیم اور غطفان کے اجتماع کی خبر پاکر آپ ﷺ نے دو سو ساتھیوں کے ساتھ خروج فرمایا۔ جب آپ ﷺ چشمہ کدر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام پہلے سے آپ ﷺ کی خبر پاکر نکل چکے تھے۔ تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ وجدال کے واپس آگئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں

سے آپ ﷺ نے ایک سریہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ جو غنیمت میں پانچ سو اونٹ لے کر واپس ہوا۔

غزوہ بنی قینقاع : ۱۵ شوال یوم شنبہ ۲ھ

بنی قینقاع عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے برادری کے لوگ تھے نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری کا کام کرتے تھے شوال کی پندرہ یا سولہ تاریخ کو بروز شنبہ رسول اللہ ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ فرمایا

"یا معشر یهود احذروا من الله مثل ما نزل بقریش من النقمة واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذلک فی کتابکم وعهد الله الیکم" (البدایہ والنھایہ ج ۴ ص ۶)

اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تم پر نازل نہ ہو۔ اسلام لے آؤ اس لئے کہ تحقیق تم خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔

یہود یہ سنتے ہی مشتعل ہو گئے اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا کہ ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آ گئے واللہ ہم سے مقابلہ ہو تو خوب معلوم ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو بنی قینقاع اور

قریظہ اور بنونضیر سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمن کو کسی قسم کی مدد دیں گے مگر سب سے پہلے بھی بنی قینقاع نے عہد شکنی کی۔اور جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے۔

یہ لوگ مضافات مدینہ میں رہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنے بجائے ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر بنی قینقاع کی طرف خروج فرمایا۔ان لوگوں نے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ فرمایا، بالآخر مجبور ہوکر سولہویں روز یہ لوگ قلعہ سے اُتر آئے چنانچہ راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کی آہ وزاری کی وجہ سے قتل سے تو درگزر فرمایا مگر مال واسباب لے کر جلاوطنی کا حکم دیا اور مال غنیمت لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے ،ایک خمس خود لیا اور چار خمس غانمین پر تقسیم فرمایا۔ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لیا۔

غزوہ سویق ۵ ذی الحجہ ۲ ھ

بدر سے جب مشرکین کا شکست خوردہ لشکر مکہ پہنچا۔تو ابوسفیان بن حرب نے یہ قسم کھائی کہ جب تک مدینہ پر حملہ نہ کرلوں گا اس وقت تک غسل جنابت نہ کروں گا چنانچہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے شروع ذی الحجہ میں دوسو (۲۰۰) سواروں کو لیکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا مقام عریض میں پہنچ کر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ایک کھجور کے باغ میں گھسے۔ وہاں دو شخص زراعت کے کام میں مصروف تھے ایک شخص انصار میں سے تھا اور

دوسرا اجیر تھا ان دونوں کو قتل کیا اور کچھ درخت جلائے اور سمجھے کہ ہماری قسم پوری ہوگئی۔اور بھاگ گئے، آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو پانچ ذی الحجہ یوم یکشنبہ ۲۰۰ مہاجرین اور انصار کو لے کر ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہوئے مگر کوئی ہاتھ نہ آیا یہ لوگ پہلے ہی نکل بھا گ گئے تھے، چلتے وقت بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے جو تھیلے ہمراہ لائے تھے۔وہ چھوڑ گئے تھے وہ سب مسلمانوں کو ہاتھ آئے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق ہے یعنی ستو والا غزوہ۔

غزوۂ غطفان :

جس کو غزوۂ انمار اور غزوۂ ذی امر بھی کہتے ہیں۔غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد ذی الحجہ آپ ﷺ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔اسی دوران آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب (جو کہ قبلیہ غطفان کی شاخیں ہیں) نجد میں جمع ہورہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں لوٹ ڈالیں اور دعثور غطفانی ان کا سردار تھا ماہ محرم الحرام ۳ھ میں آپ ﷺ نے غطفان پر چڑھائی کی غرض سے نجد کی طرف خروج فرمایا اور مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور چار سو پچاس صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے غطفانی آپ کی خبر سنتے ہی پہاڑوں میں منتشر ہوگئے صرف بنی ثعلبہ کا ایک شخص ہاتھ آیا صحابہ اس کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اسلام لے آیا، صفر کا پورا مہینہ وہیں گزارا، بلا جنگ وجدال کے ربیع الاول میں مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ بُحران :

ربیع الثانی ۳ھ میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ مقام بحران جو حجاز کا معدن ہے وہاں بن سلیم اسلام کی مخالفت پر جمع ہورہے ہیں، آپ ﷺ نے خبر پاتے ہی تین سو صحابہ کی معیت میں بحران کی طرف خروج فرمایا، اور مدینہ پر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، وہ لوگ آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع سنتے ہی نکل بھاگے اور آپ ﷺ بغیر جنگ کے واپس مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ احد :

قریش مکہ جب بدر سے بری طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لایا تھا وہ مع اصل سرمایہ اور زرمنافع دارالندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے۔ بدر کی اس شکست اور ذلت کا زخم ہر ایک شخص کے دل میں تھا جذبہ انتقام لئے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا سرداران قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے کہ کاروان تجارت بطور امانت محفوظ ہے اس میں سے اصل سرمایہ تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم کردیا جائے اور زرمنافع کلیہ محمد ﷺ سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں سے اپنا بدلہ لے لیں۔ بیک آواز سب نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور زرمنافع پچاس ہزار دینار تھی وہ سب اس کام کے لئے جمع کردیا گیا۔

غرض یہ کہ قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ لیا تاکہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ اسی طرح

تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع ہو گیا جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں یہ تین ہزار کا لشکر جرار نہایت کروفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں پانچ شوال ۳ھ کو مکہ سے روانہ ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت مکہ میں تھے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آپ ﷺ کے پاس خط پہنچادے۔

یہ خبر پاتے ہی آپ ﷺ نے حضرت انس اور مونس رضی اللہ عنہما کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر کا مدینہ کے بالکل قریب آپہنچا ہے۔ بعدازاں حباب بن منذر رضوان کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا حباب رضی اللہ عنہ نے آکر ٹھیک اندازہ اور صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اکابر مہاجرین اور انصار نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جارہی ہے جس کی تعبیر یہ ہے مدینہ بمنزلہ مضبوط زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری رائے مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور خواب میں یہی دیکھا، کہ میں نے تلوار کو ہلایا اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ گیا پھر اسی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ ہوگئی، راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بھی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بعض نوجوان جو بدر میں شریک نہ

ہو سکے تھے، بعض اکابر صحابہ ان کی رائے یہ ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ دو زرہیں پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لے آئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے غلطی سے خلاف مرضی مبارک اصرار کیا جو ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا۔ آپ ﷺ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ نہ کرے۔ اس کے بعد ۱۱ شوال یوم جمعہ نماز عصر آپ ﷺ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے آپ گھوڑے پر سوار تھے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے آپ ﷺ کے آگے آگے تھے۔ اور سب مسلمان آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں چلتے تھے، جب آپ ﷺ لشکر اسلام کو لے کر احد کے قریب پہنچے تو رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی جماعت اپنے ہمراہ لایا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گیا، کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی۔ ہم بلا وجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ج وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ط قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ط هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ج يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران آیت ۱۶۷)

اب نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں صرف سو آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ ابھی آپ ﷺ مقام شیخین ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی، اور یہیں شب کو قیام فرمایا اور شب کے آخری حصہ میں آپ ﷺ نے کوچ فرمایا جب احد کے قریب پہنچے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر لشکر کی جانب متوجہ ہوئے مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا۔ اس کے بعد پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے بٹھا دیا تا کہ قریش پشت سے حملہ نہ کر سکیں اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا اور نہ ہماری مدد کے لئے آنا۔ قریش کا لشکر چہار شنبہ کو مدینہ پہنچ کر احد کے دامن میں پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ جس کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور پندرہ خواتین ہمراہ تھیں۔ اور قریش نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور پیادوں پر صفوان بن امیہ کو اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کو اور تیراندازوں پر عبد اللہ بن ربیعہ کو افسر مقرر کیا مگر بعد میں چل کر قریش کے یہ پانچوں امراء لشکر مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم۔

چنانچہ جنگ کا آغاز ہوا قریش کی طرف سے سب سے پہلے میدان جنگ میں ابو

عامر نکلا جو زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا اور للکار کر کہا یا معشر الاوس انا ابو عامر اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں خدا اوس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے جنہوں نے فوراً ہی یہ جواب دیا اے خدا کے فاسق اور نافرمان خدا کبھی تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے یہ جواب سن کر ابو عامر واپس ہو گیا اور جا کر کہا میرے بعد میری قوم کی حالت بدل گئی۔اس کے بعد دوسرا مبارز مشرکین کی طرف سے طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلے کے لئے نکلے اور تلوار چلائی جس سے اسکا پیر کٹ گیا اور منہ کے بل گر گیا اور ستر کھل گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ شرم کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔اسی طرح ان کے آدمیوں کو انفرادی مقابلے میں ناکامی ہوئی،اس کے بعد سباع بن عبد العزا نے کہا ھل من مبا رزٍ! ہے کوئی میرا مقابلہ کرنے والا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے اے سباع،اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی عورت کے بچے تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا ایک ہی وار میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے نیزہ مارا جو پار ہو گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

مسلمانوں کے دلیرانہ اور جان بازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے اور اِدھر اُدھر منہ چھپا کر اور پشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بد حواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔تیر اندازوں کی اس جماعت نے جو کہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی جب یہ

دیکھا کہ فتح ہوگئی اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہیں یہ بھی اسی طرح بڑھے ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والی جماعت میں جا ملے۔ مرکز پر صرف عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکایک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کر دیا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مع اپنے ساتھیوں کے شہید ہوئے۔

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور دشمنان خدا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آ پہنچے۔ مسلمانوں کے علمبردار مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے آپ ﷺ نے علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ چونکہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اس لئے کسی شیطان نے یہ افواہ اڑادی کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے اس لئے تمام مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا اور اس خبر وحشت کے سنتے ہی سب کے سب بدحواس ہو گئے اور اس بدحواسی میں دوست اور دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ بھی اس کشمکش میں شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر آنحضرت ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب مبارک زخمی ہوا۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ پر اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ عبداللہ بن شہاب زہری

نے پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا چہرہ انور سے جب خون بہنے لگا۔ تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرہ انور کو صاف کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

شہداء احد کی تجہیز و تکفین :

اس غزوہ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی چنانچہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اگر پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالاخر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (ایک گھاس ہوتی ہے خوشبودار) ڈال دو۔

یہی واقعہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا اور بعض کے لئے یہ بھی میسر نہ آیا دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔ اور دو دو تین تین کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے عزیز شہیدوں کو مدینہ لے کر دفن کریں !!!! لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کیئے جائیں۔

غزوہ حمراء الاسد ! ١٦ شوال یوم یکشنبہ ۳ھ

قریش جب جنگ احد سے واپس ہوئے اور مدینہ سے چل کر مقام روحاء میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا۔ جب ہم محمد کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور

بہت سوں کو زخمی کیا ہے۔ تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کے لئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں جو معرکہ احد میں شریک تھے۔ چنانچہ ۱۶ شوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ ﷺ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینے سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہے۔ قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ کے ان اصحاب کی تعزیت کی جو احد میں شہید ہوئے تھے۔ معبد آپ ﷺ سے رخصت ہو کر ابوسفیان سے جا کر ملا ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کیا جائے۔ معبد نے کہا محمد تو بڑی عظیم الشان جماعت لے کر تمھارے مقابلے کے لئے نکلے ہیں ابوسفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے تین دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ تشریف لائے۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول ۴ھ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری جب بیر معونہ سے واپس مدینہ آئے تو اور آپ کے باقی ساتھی شہید ہو گئے تھے۔ راستے میں بنی عامر کے دو مشرک ساتھ ہو لئے جو مقام قناۃ میں پہنچ کر ایک باغ میں سو گئے۔ تو عمرو بن امیہ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے سردار عامر بن طفیل

نے ستر مسلمان شہید کیے ہیں ان میں سے بعض کا انتقام لے لوں۔ اس نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ہمارا عہد پیمان تھا۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں شخصوں کی دیت روانہ فرمائی۔

بنو نضیر بھی چونکہ بنو عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ جو بنو نضیر کے ذمہ واجب الادا تھا اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اس دیت میں امداد کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے بعض صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ ﷺ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے بنو نضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے جواب دیا لیکن اندرونی یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے تا کہ آپ کا کام ہی تمام ہو جائے۔ چنانچہ کچھ دیر نہ گزری کہ جبرائیل امینؑ وحی لے کر تشریف لائے اور آپ ﷺ کو ان کے مشورے سے مطلع کر دیا آپ ﷺ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لائے یہود کو جب آپ ﷺ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے جب آپ ﷺ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو صحابہ آپ ﷺ کی تلاش میں مدینہ آئے آپ ﷺ نے یہود کی غداری سے مطلع فرمایا اور بنو نضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان کا محاصرہ کیا بنو نظیر اپنے قلعوں میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔

مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی۔ پندرہ روز تک ان کو محاصرے میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ اور ان کو دس دن کی مہلت دی مدینہ خالی کرنے کی اور ان کو اجازت دی کہ جتنا مال لے جا سکتے ہیں

لے جاؤ۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں جا کر ٹھہرے، آپ ﷺ نے ان کا مال مہاجرین میں تقسیم فرمایا۔

غزوۂ ذات الرقاع : جمادی الاول ۴ھ

جمادی الاولی ۴ھ میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ آپ ﷺ کے مقابلے میں لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کی جماعت ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے جب آپ ﷺ نجد پہنچے تو کچھ لوگ قبیلہ غطفان کے ملے مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی آنحضرت ﷺ نے وہاں لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔

غزوۂ بدر موعد : شعبان ۴ھ

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال بدر میں لڑائی ہوگی۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔

ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مر الظہر ان تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی ،اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے۔ آنحضرت ﷺ آٹھ روز انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جنگ وجدال مدینہ واپس ہوئے۔

غزوۂ دومۃ الجندل :

ماہ ربیع الاول میں آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا

ہیں۔آپ ﷺ نے ایک ہزار صحابہ کی جماعت کو ہمراہ لے کر ۲۵ ربیع الاول ۵ھ
دومۃ الجندل کی طرف خروج فرمایا وہ لوگ خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے۔لہٰذا آپ بلا جدال
قتال کے واپس ہوئے اور ۲۰ ربیع الثانی کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق شعبان یوم دوشنبہ ۵ھ

آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق نے بہت سی
فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے آپ ﷺ نے بریدہ بن حصیب
اسلمی رضی اللہ عنہ کو خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے آکر بیان کیا
کہ خبر صحیح ہے آپ ﷺ نے صحابہ کو خروج کا حکم دیا صحابہ فوراً تیار ہو گئے تیس گھوڑے ہمراہ لئے
اس مرتبہ مال غنیمت کے طمع میں منافقین کا بھی ایک کثیر گروہ ہمراہ ہولیا مدینہ میں زید بن
حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور دو شعبان کو مریسیع کی طرف
خروج فرمایا۔تیز رفتاری کے ساتھ چل کر ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا اس وقت وہ
لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے حملہ کی تاب نہ لاسکے دس آدمی ان کے قتل ہوئے با
قی مرد و عورت بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے۔مال واسباب قبضے میں لے لیا دو
ہزار اونٹ،اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔انہی قیدیوں میں
سردار بنی المصطلق سردار بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔بعد میں حضرت جویریہ
آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اس لئے سب کو آزاد کر دیا گیا اسی سفر سے واپسی

میں واقعہ افک پیش آیا۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی پر آیت تیمم نازل ہوئی تھی۔

غزوۂ خندق واحزاب :

اس غزوہ کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ یہود بنو نضیر مدینہ سے نکالے گئے تو خیبر پہنچ کر اسلام کے خلاف سازشی جال کے تانے بانے بننے لگے۔ احد میں اول مسلمانوں کو شکست ہوئی بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ تو استیصال اسلام کے لئے اس کی رگوں میں سازش کا خون دوڑنے لگا۔ قریش سے کہا یہی وقت ہے کہ اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے قریش اس بات پر آمادہ ہوگئے، ارگرد کے قبائل بنو اسد، بنو غطفان اور بنو سعد بھی تیار ہوگئے دس ہزار کا لشکر شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کے ارادے سے مدینے کی طرف بڑھا۔ قریش کی تعداد چار ہزار تھی۔ اُن کے پاس تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ تھے، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا جنگ کے بارے میں۔

خندق کھودنے کا مشورہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فارس کے دفاعی جنگ کا طریقہ بتایا کہ مدینے کی جس جانب سے حملے کا خطرہ ہے اس جانب خندق کھودی جائے، یہ شام کی جانب کا حصہ تھا آنحضرت ﷺ نے خود خندق کے حدود متعین فرمائے، خندق کی گہرائی تقریبا ساڑھے پانچ گز اور لمبائی ساڑھے تین میل رکھی گئی۔ دس دس افراد کی جماعتیں بنا کر دس

اں گز زمین ہر آدمی کے ذمے لگائی گئی۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، سردی کے دن تھے، ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آرہے تھے، پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تین ہزار صحابہ کرام خندق کھودرہے تھے، جو جماعت اپنا حصہ مکمل کرتی دوسروں کے ساتھ شریک ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ خود بھی خندق کھودرہے ہیں۔ چھ دن میں خندق کی تکمیل کر کے کوہ سلع کے قریب قافلہ اسلام صف آراء ہوا لشکر دندناتے ہوئے پہنچا۔ تو خندق نے استقبال کیا یہ استقبال ان کے لئے نیا بھی تھا اور پریشان کن بھی۔ طرفین سے تیراندازی شروع ہوئی بیس دن یا ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اللہ کی نصرت یوں آئی کی بنوغطفان کے سردار نعیم بن مسعود اسلام لے آیا اور ایسی تدبیر کی جس سے کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر اس زور کی ہوا چلی کہ کفار کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں سے دیگچیاں الٹ گئیں سامان بکھر گئے۔ جس سے بدحواس ہو کر صبح کے پھوٹنے سے پہلے ہی کفار کا لشکر واپس مکہ روانہ ہو گیا یہ ۲۳ ذی القعدہ ۵ھ کو چار شنبہ کا واقعہ ہے اس غزوہ میں چھ مسلمان شہید ہوئے تین یا آٹھ کافر مارے گئے۔

غزوۂ بنی قریظہ :

آنحضرت ﷺ غزوہ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جبرائیل امین نے کہا کہ فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار

نہیں کھولے اور نہ وہ ابھی واپس ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور میں خود بنو قریظہ کی طرف جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ نماز عصر قریظہ میں پڑھنی ہے۔ تین ہزار کے لشکر نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا لشکر میں ۳۶ گھوڑے تھے پچیس دن محاصرہ جاری رہنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہوکر بنو قریظہ قلعوں سے اتر آئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم ہو کہ اس طرح چار سو یہودیوں کا سر قلم کیا گیا۔

غزوۂ بنی لحیان :

یکم ربیع الاول ۶ھ کو آپ ﷺ خود بنفس نفیس عاصم بن ثابت اور خبیب بن عدی اور دیگر شہداء رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دو سو سواروں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے بنو لحیان آپ ﷺ کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپے ایک دو روز یہاں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں مہمیں روانہ کیں۔

غزوۂ ذی قرد :

ذی قرد ایک چشمے کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے یہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کی چراہ گاہ تھی۔ عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کی ہمراہی میں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور آپ کی اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر ڈالا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی

ی کو ساتھ لے گئے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا، دوڑ کر ان کو
الی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا ان پر تیر برسائے یہاں تک کہ تمام اونٹنیاں ان سے چھڑا لیں
اور تیس یمنی چادریں ان سے الگ چھینیں۔ان کے جانے بعد آنحضرت ﷺ پانچ سو یا
سات سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے اور آپ اپنے
روانہ ہونے سے پہلے بھی چند سوار روانہ فرما چکے تھے ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ
کیا۔دو آدمی مشرکین میں سے مارے گئے۔اور مسلمانوں میں سے ایک شہید ہوئے۔سلمہ
بن اکوع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول کہ میں ان کو
فلاں جگہ پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر سو آدمی مجھ کو مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے لا دوں۔آپ
ﷺ مسکرائے اور فرمایا، اے اکوع جب تو مشرکین پر قابو پالے تو نرمی کر مشرکین شکست کھا
کر بھاگ گئے انحضرت ﷺ پانچ روز قیام کے بعد مدینہ واپس روانہ ہوئے۔

صلح حدیبیہ :

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے
مشہور ہے۔یہ گاؤں مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے، پیر کے دن یکم ذی القعدہ ۶ ھ کو
آنحضرت ﷺ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے مکہ روانہ ہوئے اس سفر میں صحابہ کی تعداد
تقریباً پندرہ سو تھی۔لشکر اسلام نے ذو الحلیفہ سے عمرے کا احرام باندھا بسر بن سفیان کو
جاسوس بنا کر آگے بھیجا، جنگ کا خیال نہ تھا کسی قسم کا سامان حرب اور سلاح جنگ ساتھ نہیں
تھا۔جب آپ ﷺ غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ ﷺ کے جاسوس نے آکر کو اطلاع دی کہ قریش

آپ ﷺ کے مقابلے پر تُل گئے ہیں، اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، اور آپ ﷺ کے مقابلے میں آٹھ ہزار افراد مغربی جانب ''بلدح'' میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ دو سو سواروں کے ساتھ خالد بن ولید ''مقام کراع الغمیم'' کی گزرگاہ پر حملہ کے لئے تاک میں ہے، آنحضرت ﷺ نے راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ میں جا کر قیام فرمایا۔ خالد بن ولید نے محسوس کیا کہ مسلمان راستہ تبدیل کر گئے ہیں تو قریش کو نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔

حدیبیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے قریش سے بات چیت کے لئے مکہ بھیجا، مشرکین مکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ گئے ہوئے دس ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ جس کے بعد بیعت رضوان کا تاریخی واقعہ پیش آیا۔ بیعت رضوان کی خبر نے قریش کو مرعوب کر کے صلح پر آمادہ کیا، مصالحتی گفتگو کیلئے قریش نے سہل بن عمرو کو بھیجا، چند شرائط پر دس سال کے لئے صلح ہوئی، بیس یا ایک ماہ حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد اسلامی لشکر مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ واپسی پر سورۂ فتح نازل ہوئی قرآن نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

غزوہ خیبر محرام الحرام ۷ھ :

آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ذی الحجہ اور محرم کے شروع میں آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے جنہوں نے بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو

...نہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا تھا۔ اس لئے اب وقت ہے کہ ان کی طاقت کا خاتمہ ہو،
...انچہ آپ ﷺ محرم کے آخر ۷ھ میں سولہ سو صحابہ کو لیکر مدینہ سے ۹۶ میل پر شام کی
...رف واقع خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام
...لمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔

مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ کو قائم مقام بنایا، رات کو خیبر پہنچے
...لے کے لئے صبح کا انتظار تھا، صبح یہودی کام کرنے کے لئے نکلے آپ ﷺ کو دیکھا تو بھاگتے
...وئے پکار اٹھے ''محمد والخمیس''، لشکر اسلام نے خیبر کے قلعوں کو محاصرہ کرلیا، اور بالترتیب
...لعہ ناعم، قلعہ قموص، قلعہ صعب بن معاذ، قلعہ قلہ فتح کیا، اس کے بعد قلعہ وطیح وسلالم کا چودہ
...ان تک محاصرہ جاری رہا۔ مجبوراً یہود صلح پر آمادہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سونا چاندی اور
...سامان حرب سب خیبر میں چھوڑ دو، یہود نے شرط قبول کی بعد میں آپ ﷺ سے درخواست
...کی کہ ہمیں خیبر میں ہی رہنے دیا جائے، باغات خیبر کی نصف پیداوار ہم آپ ﷺ کو دیں
...گے، آپ ﷺ نے اجازت دی غزوۂ خیبر میں تقریباً چودہ پندرہ صحابہ شہید ہوئے اور ۹۳
...یہودی مارے گئے، خیبر کی غنیمت میں گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ سامان تھا۔ زمینوں کے
...علاوہ جو سامان تھا اسکو آنحضرت ﷺ نے نص قرآنی کے مطابق تقسیم فرمایا۔

...غزوۂ موتہ :

موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں علاقہ بلقاء میں واقع ہے، آنحضرت
ﷺ نے جب سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو حضرت

حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا۔ قیصر کے ماتحت بلقاء کا رئیس شرجیل بن عمرو نے سفیر کو قتل کر دیا۔ ان کا قصاص لینے کے لئے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں روانہ فرمایا۔ شرجیل کو اطلاع ہوئی تو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے آیا۔ ہرقل مزید ایک لاکھ کے ساتھ خود پہنچا موتہ کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور جنگ شروع ہوئی، اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

فتح مکہ رمضان المبارک ۸ھ:

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد و پیان لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا۔ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ تو بنوخزاعہ مسلمانوں کا اور بنوبکر قریش کا حلیف بن گیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں قدیم زمانے سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا قریش نے بنوبکر کی مدد کر کے شرائط صلح کی خلاف ورزی کردی۔ بنوخزاعہ کے سردار مدینہ آکر قریش کے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی آنحضرت ﷺ کو شکایت کردی۔ آپ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولین خزاعہ کی دیت ادا کریں، یا بنوبکر کی معاہدے سے علیحدگی اختیار کریں، ورنہ صلح حدیبیہ کے منسوخ ہونے کا اعلان کردیں، قریش نے صلح منسوخ ہونے کا اعلان کردیا۔

آنحضرت ﷺ دس رمضان ۸ھ بروز چارشنبہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، رات کے وقت مکہ کے قریب مرالظہر ان میں سرداران قریش ابوسفیان بن حرب، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام جو تحقیق حال کے لئے مکہ سے نکلے تھے پکڑے گئے۔ اگلے دن تک تینوں اسلام لے آئے تھے، صبح ہوئی تو دین اسلام کی پاسبانوں کا لشکر مکہ کی طرف بڑھا۔ آنحضرت ﷺ مقام کداء سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے کسی مزحمت کا سامنا کئے بغیر داخل ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ کی نچلی جانب کدی سے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ داخل ہوا چاہتے تھے، کہ قریش کے بعض اوباشوں نے مزاحمت کی جس میں دو مسلمان حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ اور خنیس بن خالد رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔

کفار کے بارہ یا چوبیس آدمی مارے گئے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر گئے آٹھ رکعت نماز پڑھی پھر مسجد حرام آئے، طواف کیا حرم میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں اور بیت اللہ کے اندر سے تصویروں کو صاف کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر کعبہ کے اندر گئے اور تکبیر کے مقدس زمزموں سے اس کی فضاؤں کو منور کیا۔ باہر نکل کر خطبہ دیا اور قریش سے نفرتوں کا انتقام لینے کے بجائے سب کیلئے آزادی کا پروانہ جاری کیا۔ یہ بیس رمضان اور جمعہ کا دن تھا، تھوڑی دیر بعد نماز ظہر کیلئے باب کعبہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے روح پرور آواز کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، ظہر کے بعد عام بیعت شروع ہوئی، ہفتہ ۵ شوال تک آپ یہاں رہے، ۶ شوال کو آپ ﷺ حنین کیلئے روانہ ہوئے۔

غزوۂ حنین واوطاؤس طائف!

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہان قبائل ہوازن اور ثقیف آباد تھے۔ فتح مکہ کی خبرسن کر ہوازن وثقیف نے باہمی مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کردیں۔ دونوں قبیلوں کے بیس ہزارافراد مالک بن عوف کی زیر قیادت وادی حنین پہنچے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تو حضرت عبداللہ بن ابی حدرالاسلمی رضی اللہ عنہ کو صورت حال معلوم کرنے بھیجا، انہوں آکر لشکر ہوازن وثقیف کی اطلاع دی۔ ٦ شوال ہفتہ ٨ھ کو بارہ ہزار کا لشکر لیکر آنحضرت ﷺ حنین کی طرف روانہ ہوئے لشکر اسلام شب چارشنبہ کو وادی حنین سے گزر رہا تھا کہ اچانک گھاٹیوں میں چھپے ہوئے ثقیف وہوازن کے ہزاروں نوجوان لشکر پر ٹوٹ پڑے شروع میں مسلمان پسپا تھے لیکن سرور دوعالم ﷺ گھمسان کی جنگ میں اپنی جگہ ثابت قدم تھے۔ زبان مبارک سے نبوت کا جلال اعلان کررہا تھا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدا لمطلب

(بخاری شریف ج اص ۴۰۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سمیت چندصحابہ کو حکم ہوا کہ انصارومہاجرین کو آواز دو پل بھر میں اسلامی لشکر دیوانہ وار پلٹ کر حملہ آور ہوا تو کچھ دیر بعد میدان صاف ہو گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، چھ ہزار کے قریب قید ہوئے چوبیس ہزاراونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزاراوقیہ چاندی مال غنیمت میں ملی۔

حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ اوطاس اور ایک حصہ طائف چلا گیا۔ سرور

دو عالم ﷺ نے حضرت ابو عامر کی زیر قیادت ایک جماعت اوطاس کی طرف روانہ کی۔ اوطاس میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی، طائف کا محاصرہ پندرہ، سترہ، اٹھارہ، یا بیس دن تک جاری رہا، بارہ مسلمانوں نے شہادت پائی تاہم قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ ثقیف کیلئے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ اٹھالیا۔ پانچ ذی قعدہ آپ جعرانہ پہنچے، جہاں حنین کے قیدی اور مال غنیمت جمع تھا۔ دس دن سے زیادہ آپ ﷺ نے انتظار کیا کہ شائد ہوازن وثقیف اپنے قیدی چھڑانے آئیں جب کوئی نہ آیا تو اسیران جنگ سمیت مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔

تقسیم غنائم کے بعد وفد ہوازن تائب ہو کر آیا آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے ان کے قیدی واپس کرنے کی سفارش کی تمام صحابہ نے چھ ہزار قیدیوں کو بیک وقت آزاد کر دیا۔

۱۸ ذی قعدہ بروز چہار شنبہ آپ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا، عمرہ کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے اور ۲۷ ذی قعدہ کو مدینہ پہنچے ۱۰ رمضان ۸ ھ کو فتح مکہ کے ارادے سے نکلے تھے، دو ماہ سولہ دن کے بعد واپسی عمل میں آئی۔

غزوۂ تبوک :

الجیش بلقاء تک آ گیا ہے۔ اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ نے پیش قدمی کر کے مقابلہ کیلئے جانے کا اعلان کیا۔ موسم گرمی کا تھا، زمانہ فصلوں کی کٹائی کا تھا۔ قحط وفاقہ عام تھا، سفر دور کا تھا اور مقابلہ وقت کی سب سے بڑی سلطنت روم سے تھا، لیکن اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کیلئے ان ہی سعادتمند جانبازوں کا انتخاب کیا جو اس صحبت کی قدر جانتے تھے۔

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مال حاضر کیا۔ بہت سے مخلصین جانے کیلئے بے تاب تھے لیکن زادسفر پاس نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے ۔آپ کہاں سے لاتے واپس ہوتے ہوئے روئے اور درد سے روئے کہ آپ کا دل بھر بھر آیا

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (توبہ آیت ۹۲)

رجب ۹ھ بروز جمعرات آنحضرت ﷺ تیس ہزار فوج لیکر نکلے لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے مومنین مخلصین سمعا وطاعۃ کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہوگئے سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لاکر آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی لاکر حاضر کی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کئے آپ ﷺ نہایت مسرور ہوئے بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ پندرہ دن سفر کرنے کے بعد تبوک پہنچا۔ مقابلے پر کوئی نہیں آیا تبوک پر قیام کے دوران آس پاس کی ریاستوں میں مہمیں روانہ کی گئیں ۔ جو کامیاب لوٹیں ۔ اہل جربا، اہل اذرح، اور ایلہ کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا آپ ﷺ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کیساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا آپ ﷺ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں اگر وہ اگر انکار کردے تو قتل کردینا خالد چاندنی رات میں پہنچے گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکر ماری اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کیلئے اُترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے تھوڑے ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آپہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کیلئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شکار ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزیں دیکر صلح کی۔

وفات النبی ﷺ

یہ دوشنبہ کا روز ہے جس میں آپ ﷺ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جاملے اسی دوشنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے چہرۂ انور کا یہ حال تھا گویا کہ مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سفید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ ﷺ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈالدیا اور اندر تشریف لے گئے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۴۰ باب مرض النبی ﷺ)

آنحضرت ﷺ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرہ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابہ کرام کیلئے جمال نبوت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔عشاق کی زبانِ حال یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

وکنت اریٰ کالموت من بین ساعة فکیف ببین کان موعده الحشر

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرہ مبارک میں گئے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول ﷺ کو اب سکون ہے، جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی، اور چونکہ یہ دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلے پر رہتی تھیں، آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر وہاں چلے گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۸۰)

ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! یا

ی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔ اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس گئے۔ حضرت علیؓ حجرے مبارک سے باہر آئے لوگوں نے آپ کے مزاج دریافت کیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا بحمد اللہ آپ اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کے کہا اے علیؓ خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصاء رلاٹھی کا غلام ہوگا یعنی اور کوئی حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہو گے خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرما دے تو پھر ہم ہمیشہ کیلئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۷)

عالمِ نزع

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ ﷺ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آغوش میں سر رکھ کر

لیٹ گئے اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما ہاتھ میں مسواک لئے آ گئے آپ ﷺ ان کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کیلئے مسواک لے لوں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہاں میں نے کہا کہ اس کو نرم کروں آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا ہاں میں نے چبا کر مسواک آپ ﷺ کو دی اسی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر وقت میں میرا آبِ دہن آپ ﷺ کے آبِ دہن کیساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کی وفات میرے حجرے میں میری نوبت کے دن میں میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ

ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو جاتا ہے، اور افیون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہو کر بار بار ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے. **لاالــــــہ الا اللہ ان الموت سکرات** ، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا. **اللھم الرفیق الاعلیٰ**' (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۴۱)، اے اللہ میرے رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں، یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء اور مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ

سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا
جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا وآخرت میں سے
جو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ ﷺ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ
میں نہ رہیں گئے آپ ﷺ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کرلیا ہے، الغرض
ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے. اللھم الرفیق الاعلیٰ، اور روح مبارک
اعلا کو پرواز کرگئی، اور دست مبارک نیچے گر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وفات

رسول اللہ ﷺ کے عالم فانی سے عالم آخرت کی طرف رحلت کا واقعہ جس نے دنیا
نبوت ورسالت کے فیوض وبرکات اور وحی ربانی کے انوارِ تجلیات سے محروم کردیا بروز
دوپہر کے وقت (۱۲) بارہ ربیع الاول کو پیش آیا۔

سلسلے میں مختلف اقوال

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی وفات ماہِ ربیع الاول میں بروز
کو ہوئی اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں
ربیع الاول کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی، ابن اسحاق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اور

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت
ہوا یہی روایت زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کوئی
فصل نہیں البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے مشہور قول کی بنا پر بارہ (۱۲) ربیع الاول
کو وفات ہوئی موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات
بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے روضۃ الانف میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے
بخاری میں اس قول کو راجح قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۷، ۴۷)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنهایہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے
ارتحال سے متعلق کئی اقوال نقل فرمائے ہیں: سلیمان بن طرخان التیمی فرماتے ہیں کہ
ﷺ ۲۰ صفر کی رات میں علیل ہوئے اور آپ کی علالت تب شروع ہوئی جب آپ اپنی
ریحانہ کے یہاں تھے اور آپ کے مرض وفات کا پہلا دن ہفتہ تھا اور آپ کی وفات
دن بروز پیر دو ربیع الاول کو ہوئی۔

اور واقدی رحمہ اللہ کی یہ رائے ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ بروز بدھ اٹھارہ یا
صفر میں علیل ہوئے ۱۱ھ میں بایں وقت آنجناب ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ
کے ہاں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس آپ کی تمام ازواج مطہرات جمع تھیں اور آپ
روز بیمار رہے اور بروز پیر دو ربیع الاول کو آپ کا وصال ہو گیا۔

مگر واقدی رحمہ اللہ کا قول راجح یہ ہے کہ آپ کا مرض وفات بروز بدھ ۲۸
شروع ہوا اور آپ ﷺ بروز پیر (۱۲) بارہ ربیع الاول کو اس جہان فانی سے رخصت ہو

منگل کو آپ دفن کیئے گئے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتداء ان کے گھر پر ہوا،

یعقوب ابن سفیان محمد ابن قیس کی سند سے نقل فرماتے ہیں آپ ﷺ ۱۳ دن بیمار رہے جب آپ کچھ تسلی محسوس کرتے تو خود نماز پڑھا لیتے اور جب بوجھ محسوس فرماتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے۔

اور محمد ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال (۱۲) بارہ ربیع الاول کو پیش آیا اسی دن جس دن آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور آپ ہجرت کے دس سال مکمل ہو گئے تھے۔

الاصل:

امام واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی قول ارجح اور اثبت ہے آپ کی وفات (۱۲) بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور محمد بن سعد نے بھی اس کی توثیق کی بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اخیر میں اسی قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

والمشهور قول ابن اسحٰق والواقدی. ورواه الواقدی عن ابن عباس، عن عائشة ﷺ قالا: توفی رسول الله ﷺ یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول.

اور مشہور و معروف رائے امام محمد ابن اسحاق جو کہ مغازی کے امام ہیں اور واقدی تاریخ کے ماہر ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

روایت نقل کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ بروز پیر (۱۲) بارہ ربیع الاول کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

امام طبری رحمہ اللہ اپنی تاریخ کی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں (۱۲) بارہ ربیع الاول کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے روایت نقل فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ابن حمید کی سند سے جس میں ابن اسحاق بھی ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ آخری کلام جو آپ فرما رہے تھے وہ یہ تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہیں چھوڑے گئے پھر فرماتی ہیں: جناب نبی کریم ﷺ کی وفات (۱۲) بارہ ربیع الاول کو ہوئی جس روز آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور آپ کی ہجرت کو دس سال مکمل ہو گئے تھے۔

دوسری روایت بھی ابن اسحاق سے نقل فرماتے ہیں کہ: جناب نبی کریم ﷺ بتاریخ (۱۲) بارہ ربیع الاول کو وصال فرما گئے اور بروز بدھ کو آپ کی تدفین کی گئی۔

(تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۴۵۳ اور ۴۵۵)

طبقات کبریٰ لابن سعد میں اور البدایہ والنھایہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس اور ام المؤمنین حضرت عائشہ الصدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

توفی رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول

جناب نبی کریم ﷺ کی وفات بروز پیر بارہ (۱۲) ربیع الاول کو ہوئی

(البدایہ والنھایہ ج ۵ ص ۱۸۱)

علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ہے اور بریلوی مکتبہ فکر کی تنظیم المدارس

نے ایک عقائد پر مبنی رسالہ شائع کیا ہے اور اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول تحریر کی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک

انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف ۶۳ تریسٹھ برس تھی، یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

(فتح الباری ج۸ ص۵۰۰)

داڑھی کی شرعی حیثیت

قرآنِ کریم واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم وعلىٰ آله واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم با حسان الىٰ يوم الدين اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ج اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ٥ (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۴)

داڑھی کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے کہ حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر کہ ان لوگوں کا خیال رکھنا تفصیلی واقعہ ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو قوم بچھڑے کی پوجا کرنے میں لگ گئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے میں آکر اپنے بھائی ہارون کی داڑھی پکڑ لی اس سے ثابت ہوا انبیاء کی داڑھی ہوتی تھی، لفظ " بلحيتي " سے واضح ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی داڑھی کا ثبوت دوٹوک الفاظ میں موجود ہے

"عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال خالفوا المشركين وفروا اللحىٰ واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه .

وفی روایة انهکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ ''
(صحیح مسلم ج۱ص۱۲۹، صحیح بخاری ج۲ص۸۷۵، سنن نسائی ج۱ص۴ حاشیہ نمبر۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترو۔ کیونکہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ داڑھی چھوٹی کرواتے اور مونچھیں بڑی کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ داڑھی بڑی کرے اور مونچھیں چھوٹی کریں اس حدیث مبارکہ سے داڑھی کا صرف رکھنا نہیں بلکہ بڑی رکھنا ثابت ہے بڑی سے مراد ایک مشت ایک مشت سے اگر لمبی ہو تو کاٹنا جائز ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ فرماتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور اضافی بالوں کو لے لیتے۔

چاروں آئمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری ہے ایک مشت سے کم کرنا ناجائز ہے احناف کی معتبر کتاب ردُ المحتار میں لکھا ہے کہ چار انگشت سے کم داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے اور چہار انگشت سے زیادہ بالوں کو لے لینا ضروری ہے،

عبارت ملاحظہ ہو

''ماوراء ذلک یجب قطعه هکذا عن رسول الله ﷺ انه کان یاخذ من اللحیة منطولها وعرضهااورده ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعه (ردالمحتار ج۳ص۴۵۶)

اور آگے لکھا ہے

''واما الاخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة

ومخنثة الرجال فلم يبحه احد (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۷ مکتبہ رشیدیہ)

یعنی ایک مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ اہل مغرب اور خواجہ سراؤں کا شیوہ ہے، اس کے جواز کا قول کسی کا بھی نہیں۔

اور اس سے پہلے لکھا ہے

تطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة''

(درمختار ج ۳ ص ۴۵۶)

مطلب ڈاڑھی کو بڑھائے سنت کے بقدر اور وہ ایک مٹھی ہے۔

”والقص سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها علىٰ قبضته قطعه كذا ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فى كتاب الآثار عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال وبه نأخذ كذا فى محيط السرخسى.

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۸)

اور کترنا سنت ہے ڈاڑھی میں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی مٹھی میں داڑھی پکڑے اور جو اضافی بال مٹھی سے باہر ہوں انہیں (قینچی سے) کاٹ لے۔ یہی امام محمدؒ نے امام اعظم ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے۔

روى الطبرانى عن ابن عباس رفعه من سعادة المرء خفة لحيته

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس ﷺ سے یہ روایت مرفوعاً نقل فرمائی ہے کہ انسان کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی ڈاڑھی ہلکی (ایک مشت) ہو اس کے آگے درج ہے

ماذكره المناوى فى شرحه الكبير على الجامع الصغير ان الحسن

بن المثنی قال :اذا رایت رجلا له لحیة طویلة ولم یتخذ لحیة بین

لحیتین کان فی عقله شیء .

(وانشد بعضهم)

ما احد طالت له لحیة فزادت اللحیة فی هیئته

الا وما ینقص من عقله اکثر مما زاد فی لحیته

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۴۱ ، فتاویٰ شام ج ۹ ص ۶۷۱)

امام نووی ؒ جامع صغیر کی شرح میں نقل فرماتے ہیں کہ حسن ابن المثنیٰ ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کی داڑھی بہت لمبی ہے (بے ڈھنگی) اور اپنی داڑھی کو سنوارتا نہیں ہے اس کی عقل میں خرابی ہے۔

لطیفہ

نقل عن هشام بن الکلبی قال حفظت مالم یحفظه احد ونسیت مالم ینسه احد حفظت القرآن فی ثلٰثة ایام واردت ان اقطع من لحیتی مازاد عن القبضة فنسیت فقطعت من اعلاها (قوله لاطاعة لمخلوق الخ)رواه احمد والحاکم عن عمران بن حصین ....جراحی قوله (والمعنی المؤثر)ای العلة المؤثرة فی اثمها التشبه بالرجال فانه لایجوز کالتشبه باالنساء .

(درمختار ج ۹ ص ۶۷۱ رشیدیہ)

حضرت ہشام ابن الکلبی ؒ سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے جب کچھ حفظ کیا تو میرے جیسا کسی نے بھی حفظ نہیں کیا اور جب میں نے ایک بھول کی تو میری جیسی بھول بھی کسی

نے نہیں کی فرمایا: میں قرآن کریم صرف تین دن میں حفظ کیا اور بھول ایسی ہوئی کہ جب میں اپنی داڑھی کے کنارے لینا چاہا تو میں نے اپنی مٹھی میں داڑھی پکڑی اور نیچے سے کاٹنے کے بجائے اوپر سے کاٹ دی۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن الهيثم عن ا بن عمر رضى الله عنهما انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ماتحت القبضة قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابى حنيفة رحمه الله (کتاب الآثار ص ۱۹۸)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں واضح طور پر داڑھی کی مقدار کا تذکرہ موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک قبضہ سے زیادہ داڑھی کو تراش لیا کرتے تھے۔

ولا يفعل لتطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة
(ہدایہ ج ا ص ۲۰۳ باب مایوجب القضا والکفارہ، المنہل العذب المورود ج ا ص ۱۸۶)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ داڑھی کی مقدار ایک قبضہ ہے اور اس سے زیادہ داڑھی کا بڑھانا ٹھیک نہیں ہے اس کی تشریح میں فتح القدیر کی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

عن مروان بن سالم المقنع قال رأيت ابن عمر رضى الله عنه يقبض على لحيته فيقطع مازاد على الكف (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

مروان ابن سالم المقنع سے مروی ہے فرمایا میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل دیکھا ہے وہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑتے اور اضافی بالوں کو کاٹ لیتے۔

فان قلت يعارضه ما فى الصحيحين عن ابن عمر رضى الله عنهما عنه عليه

الصلوٰة والسلام احفوا الشوارب واعفوا اللحی (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

اگر آپ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صحیحین کی روایت کے مطابق پیغمبر ﷺ کا حکم ہے کہ مونچھیں کم کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ قبضہ سے زیادہ داڑھی کو کاٹ لینا پیغمبر ﷺ کے حکم کے خلاف ہے؟

فالجواب انه قد صح عن ابن عمر راوی هذا الحديث انه كان ياخذ الفاضل عن القبضة. (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے اور ایک حدیث کے راوی کو حدیث کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس حدیث کے راوی خود حضرت ابن عمر اپنی داڑھی ایک مشت سے زیادہ کاٹ لیتے تھے۔

وعن النبی صلی الله عليه وسلم يحمل الاعفاء على اعفائها من ان يأخذ غالبها او كلها كما هو فعل مجوس الاعاجم من حلق لحاهم كما يشاهد فی الهنود وبعض اجناس الفرنج فيقع بذالک الجمع بين الروايات ويؤيد ارادة هذا ما فی مسلم عب ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی عليه الصلاة والسلام جزوا الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعليل واما الاخذ منها وهی دون ذالک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰)

حدیث شریف میں اعفاء کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی حلق مت کرو یا اس کا

خط نہ بناؤ جیسے عجمی مجوسی کرتے ہیں اور ہنود اور فرنگیوں کا یہی شیوہ ہے پس اس طرح تمام روایات اور راوی کے عمل کی بہترین تطبیق ہوجائے گی اور تطبیق کی تائید مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ ﷜ جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ موچھیں کترو اور داڑھی بڑھاؤ مجوس کی مخالفت کرو (حلق اور خط نہ کرو) پس یہ جملہ موقع تعلیل میں واقع ہے کہ ایک مشت سے کم کرلینا جیسا کہ اہل مغرب اور خواجہ سراؤں کا انداز ہے اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولا بأس اذا طالت لحيته ان يأخذ من اطرافها ولا بأس ان يقبض على لحيته فان زاد علىٰ قبضته منها شئى جزه وان كان ما زاد طويله تركه كذا فى الملتقط والقص سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها على قبضته قطعه كذا ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فى كتاب الآثار عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال وبه نأخذ كذا فى محيط السرخسى (فتاویٰ عالمگیری ج۵ص ۳۵۸ رشیدیہ)

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جس کی داڑھی بڑی ہوجائے وہ اس کے اطراف سے کترلے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ لے اور اگر کترنے کے بعد لمبائی باقی ہے بالوں کی تو اس چھوڑ دے یہ ملتقط میں ہے اور قینچی سے کترنا سنت ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مست سے زیادہ بالوں کو کاٹ لے ایسا ہی امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں ہم اسی پر

فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال احفوا الشارب واعفوا اللحی

(سنن نسائی ج ا ص ۴)

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور داڑھی بڑھاؤ

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل ان ابا قحافة اتی النبی ﷺ ولحیته قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار الیٰ نواحی لحیته

(مسند ابی حنیفہ ص ۲۰۵ کتاب اللباس والزینۃ، قدیمی)

یعنی ابو قحافہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان کی داڑھی ہر طرف سے بکھری ہوئی تھی آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ تم داڑھی سنوار لو اور ان کی داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ فرمایا۔

درج بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ نبی کریم ﷺ نے بھی داڑھی کی تزئین و آرائش کے لئے داڑھی کو تراشنے کی اجازت دی ہے تا کہ داڑھی انسان کے چہرے پر کوئی بے ڈھنگی چیز معلوم نہ ہو کیونکہ داڑھی مرد کا حسن ہے اور حسن کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی داڑھی مبارک

فی التلخیص الحبیر (ص ۲۰ ج ا) واما کونه ﷺ کان کث اللحیة فقد ذکر القاضی عیاض ورود ذالک فی احادیث جماعة من الصحابة باسانید صحیحة کذا قال

وفی مسلم من حدیث جابر کان رسول اللہ ﷺ کثیر شعر اللحیة وروی البیهقی فی الدلائل من حدیث علی کان رسول اللہ ﷺ عظیم اللحیة وفی روایة کث اللحیة وفیها من حدیث هند بن ابی هالة مثله ومن حدیث عائشه مثله وفی حدیث ام معبد المشهور وفی لحیته کثافة (اعلاء السنن ج۱ص ۶۵)

جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی، قاضی عیاضؒ نے اس سے متعلق مستند احادیث جمع فرمائی ہیں،

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی کے بال بہت گھنے تھے اور بیہقی میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک بڑی تھی اور ایک روایت میں ہے گھنی تھی۔

واخرج ابن عساکر من طرق ان عثمان رضی اللہ عنه کان رجلا ربعة الی ان قال کثیر اللحیة وفی تهذیب التهذیب (ص ۱۴۱ ج۷) کان عثمان (رضی اللہ عنه) ربعة حسن الوجه رقیق البشرة عظیم اللحیة (اعلاء السنن ج۱ص ۶۵۔ ادارۃ القرآن)

اور ابن عساکر مختلف طرق سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میانہ قد کے آدمی تھے، اور یہاں تک روایت نقل کی؛ آپ گھنی داڑھی والے تھے، اور کتاب تہذیب التہذیب میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میانہ قد خوبصورت چہرہ ملائم جلد اور گھنی داڑھی سے مجسم تھے۔

السنن کی اس طویل بحث سے ہمیں چند باتوں کو پتہ چلتا ہے

(۱) داڑھی رکھنے کا درجہ سنتِ نبوی سے بڑھ کر وجوب کے درجے میں ہے۔

(۲) جنابِ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھی تھی۔

(۳) داڑھی کو مرد کے لئے زینت بنایا گیا ہے اس لئے اس کی تزئین و آرائش بھی ضروری ہے۔

(۴) داڑھی کا تراشنا اور اس کی بناوٹ بھی ضروری ہے ایسا نہیں جیسا کہ آج کل ایک خاص فرقہ داڑھی کے ساتھ حدود شرعیہ کے مطابق سلوک نہیں کرتا اور اس کی ساکھ کو بگاڑ دیتا ہے۔

(۵) داڑھی کا تراشنا بھی سنت ہے۔

حکم اللحية

فی مسلم

(۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال احفوا الشوارب واعفوا اللحی

عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحية

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفوا اللحی

(۲)عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ قدیمی)

مذکورہ احادیث کا مفہوم ومعنیٰ ایک ہی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے داڑھیاں

رکھنے، مونچھیں کم کرنے اور مشرکین و مجوس کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کی داڑھی مبارک کیسی تھی ا
تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی داڑھیاں کیسی تھیں؟ اور جو شخص داڑھی کو کٹائی گا تو وہ نبی
راستہ چھوڑ کر مشرکین اور مجوس کے راستہ کو چل پڑا ہے لہٰذا جوان کے راستہ چلے گا گمر
وضال ہوگا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کا کاٹنا حرام اور نبی کی نافرمانی ہوگی اور
کے خلاف ہوگا اگر کوئی شخص داڑھی منڈانے کو جائز سمجھے اور دیدہ دانستہ اس کی جرأ
کرے اور داڑھی رکھنے کو اپنا خود ساختہ طریقہ سمجھے تو ایسے شخص کا عقیدہ موجب کفر ہے تا
داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں داخل ہے اور روایات سے یہ ثابت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ
اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت متواترہ میں سے ہے، فقہاء کے نزدیک اس کی
مقرر ہے جس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

''قال ملا علی القاری رحمه الله ومنها ان استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر ، اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية وكذ االاستهانة بها كفر بان يعدها هينة سهلة ويرتكبها من غير مبالاة بها ويجريها مجرى المباحات في ارتكابها ''

(شرح الفقہ الاکبر ص ۱۲۶)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں جب کوئی کسی معصیت کے بارے میں یہ خیال کر
کہ یہ جائز ہے تو یہ کفر ہے جبکہ اس کا گناہ ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو اور اسی طرح کسی گ
کو ہلکا سمجھنا بھی کفر ہے اس طرح کہ وہ اس گناہ کو بالکل ہی معمولی اور آسان سمجھتا ہو اور

ں پرواہ کے وہ ارتکاب بھی کرتا ہو اور اس گناہ کے ارتکاب کو مباحات کے زمرہ میں شامل

ا ہو۔

یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم قاعدہ ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ

یت چاہے بڑی ہو یا چھوٹی گناہ گناہ ہی ہوتا ہے اور جب کوئی کسی گناہ کے بارے میں

ل ہونے کا خیال کرے تو یہ کفر ہے۔

ام میں مبتلاء

یحرم علی الرجل قطع لحیته وفیه السنة فیها القبضة.

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی

ہ اس لئے کہ اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے

ل اللہ ﷺ سے بغاوت کا اعلان اور اظہار ہے۔ (درمختار ج۴ص۲۲۳)

دوسری وجہ یہ ہے کہ داڑھی کا کاٹنا یقیناً دائمی گناہ ہے یہاں تک کہ روزہ، نماز، حج

لیم عبادتوں میں مشغولیت کے وقت بھی اس گناہ میں آدمی مبتلاء رہتا ہے قوم لوط کے

ذاب آنے ایک وجہ داڑھی کے کٹانے کا گناہ بھی تھا (درمنثور)

"واخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن

رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ عشر خصال عملتها قوم لوط

بها اهلکوا وتزیدها امتی بخلة اتیان الرجال بعضهم بعضا ورمیهم

الجلاهق ولعبهم الحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص

اللحية وطول الشارب والصفر والتصفيق ولباس الحرير وتزيدها امتى بخلة اتيان النساء بعضهن بعضا

(تفسیر درمنثور ج۵ ص۵۶۵ سورۂ انبیاء آیت ۷۴)

واللحية هى الفارقة بين الصغير والكبير وهى جمال الفحول وتمام هيأتهم فلا بد من اعفائها وقصها سنة المجوس وفيه تغيير خلق الله ولحوق اهل السؤدد والكبرياء باالرعاع (حجة الله البالغة ج ا ص ۵۰۸ باب خصال الفطرة وما يتصل بها. زمزم پبلشر)

اور داڑھی سے بالغ ونابالغ کا فرق واضح ہوتا ہے اور یہ مردوں کی زینت ہے اور ان کی کمال خلقت ہے پس داڑھی رکھنا واجب جبکہ اس کو خط نما بنانا مجوسیوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کاٹنے میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنے کی کوشش ہے اور مشابہت ہے بے فخر اور تکبر کرنے والوں کے ساتھ۔

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم و نتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعنى الاستنجاء بالماء　　　　(ابوداؤد شریف ج ا ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا دس عادتیں فطری ہیں مونچھیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک، ناک صاف کرنا پانی سے، ناخن لینا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغل گیر بال لینا، زیر ناف بال لینا، اور پانی سے استنجاء کرنا۔

تغییر خلق اللہ کا مرتکب

وخص من تغيير خلق الله تعالىٰ الختان والوشم لحاجة وخضب اللحية وقص مازاد منها على السنة ونحو ذلك.

(روح المعانی ج ۵ ص ۱۹۵ سورۂ نساء آیت ۱۱۹)

اور یہ سنتیں تغییر خلق کو شامل نہیں ہیں ختنہ، مجبوری میں چہرے کے بال گودنا داڑھی رنگنا اور ایک قبضہ سے زائد بالوں کا کاٹنا اور اسی طرح اور۔

ایک مشت سے کم داڑھی کا کاٹنا جائز نہیں منڈانا حرام ہے احکام کی وقعت اور محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی ناجائز چیز کو چھوڑ کر جائز کو اختیار کرے (فتاویٰ محمودیہ ج ۲۴)

عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال خالفوا المشركين وفروا اللحىٰ واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه .وفى رواية انهكوا الشوارب واعفوا اللحىٰ

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۴ حاشیہ نمبر ۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترو۔ کیونکہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ داڑھی چھوٹی کرواتے اور مونچھیں بڑی کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ داڑھی بڑی کرے اور مونچھیں چھوٹی کریں اس حدیث مبارکہ سے داڑھی کا صرف

رکھنا نہیں بلکہ بڑی رکھنا ثابت ہے بڑی سے مراد ایک مشت ایک مشت سے اگر لمبی ہو تو کاٹنا جائز ہے۔اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ فرماتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور اضافی بالوں کو لے لیتے۔

عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ یکثر دھن رأسہ وتسریح لحیتہ ویکثر القناع حتی کان ثوبہ ثوب زیات

(شمائل ترمذی ص ۴ مشکوٰۃ ص ۳۸۱، قدیمی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک پر اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔(خصائل نبوی از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی والمتوفی بھا رحمہ اللہ، ص ۲۷)

داڑھی کی مسنون مقدار کتنی ہے

القبضۃ بضم القاف قال فی النہایۃ وما وراء ذالک یجب قطعہ ھکذا عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأخذ من اللحیتین من طولھا وعرضھا اوردہ ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعہ رواہ من حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص فان قلت یعارضہ ما فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام احفوا الشوارب

واعفو اللحی فالجواب انه قد صح عن ابن عمر راوی هذالحدیث انه کان یأخذ الفاضل عن القبضة قال محمد بن الحسن فی کتاب الآثار اخبرنا ابوحنیفة عن الهیثم ابن ابی الهیثم عن ابن عمر رضی الله عنهماعانه کان یقبض علی لحیته ثم یقص ماتحت القبضة ورواه ابو داؤد والنسائی فی کتاب الصوم عن علی بن الحسن بن شقیق عن الحسن بن واقد عن مروان بن سالم المقنع قال رأیت ابن عمر رضی الله عنه یقبض علیٰ لحیته فیقطع ما زاد علی الکف وقال کان النبی ﷺ اذا افطر قال ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجران ان شاء الله تعالیٰ وذکره البخاری تعلیقا فقال وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذه وقدروی عن ابی هریرة رضی الله عنه ایضا أسنده ابن ابی شیبة عنه حدثنا ابو اسامة عن شعبة عن عمر بن ایوب من ولد جریر عن ابی زرعة قال کان ابوهریرة رضی الله عنه یقبض علی لحیته فیأخذ ما فضل عن القبضة فاقل ما فی الباب ان لم یحمل علی النسخ کماهو اصلنا فی عمل الراوی علی خلاف مرویه مع انه روی عن غیر الراوی وعن النبی ﷺ یحمل الاعفاء علیٰ اعفائها من ان یأخذ غالبها او کلها کما هو فعل مجوس الاعاجم من حلق لحاهم کما یشاهد فی الهنود وبعض اجناس الفرنج فیقع بذالک الجمع بین الروایات ویؤید ارادة هذاما فی مسلم عن ابی

هـريـرة رضي الله عنه عن النبي عليه الصلوٰة والسلام جزوا الشوارب واعفوا اللحى خالفو المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعليل واما الاخذ منها وهي دون ذالک کما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰ طبع سکھر)

فتح القدیر شرح ہدایہ کی اس طویل عبارت میں مصنف رحمہ اللہ نے مختلف روایت نقل کی ہیں جن میں جناب نبی کریم ﷺ اور ان کے دیگر صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ حضرات داڑھی کی تزئین و آرائش کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً اسے تراشا بھی کرتے تھے تا کہ وہ بدنما اور بے ڈھنگی نظر نہ آئے۔ مزید عبارت کے آخر میں انہوں نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ مکمل طور پر داڑھی کو کاٹنا یا ایک مشت سے کم کرنا یہ ہندوؤں اور انگریز فرنگیوں کی مشابہت کو اختیار کرنا ہے اور مخنث ہونے کی بھی نشانی ہے۔

امر بالمعروف کرنا

داڑھی رکھوانا شرعاً واجب ہے نہ رکھوانے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا

''اعفوا اللحى'' بعض روایت میں'' ارخوا اللحى ''بعض میں'' وفروا اللحى ''بعض میں ''کثروا اللحى''بعض میں ''اوفو اللحى''

کے مختلف امر کے صیغہ مروی ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے بالخصوص مواضبت

ں سے اس کی تائید ہوئی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام، سلف صالحین کسی نے بھی قبضہ سے کم
ڑھی نہیں کٹوائی۔

ڑھی کی توہین اور تحقیر کرنے والے کا حکم

داڑھی کی توہین اور بے عزتی کرنے والا بلاشبہ کافر ہے نیز استقباحِ سنت کی وجہ
سے آدمی کافر ہوجاتا ہے کیونکہ داڑھی سنت الانبیاء ہے،

''فی رد المحتار
بل بالمواظبة علی ترک سنة استخفافا بها بسبب انه فعل النبی
ﷺ زیادة او استقباحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة
تحت حلقه او احفاء شاربه
قلت :ویظهر من هذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم
یقصد الاستخفاف (ردالمختار علی الدر المختار ج۶ ص ۳۴۳ طبع رشیدیہ)

یعنی کسی سنت کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نا اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنا اس نیت سے کہ یہ
پیغمبر علیہ السلام کا اضافی فعل ہے یا کسی سنت کو قبیح سمجھنا جیسے وہ شخص جو عمامہ کا بعض حصہ
اپنے حلق کے نیچے دبالے (بے ادبی کرتے ہوئے) یا اپنی مونچھیں جان بوجھ کر بڑھالے۔
میرا کہنا یہ ہے کہ کسی بھی سنت کو ہلکا سمجھنے کی دلیل سے وہ کافر ہوجاتا ہے اگرچہ وہ
سنت کو چھوٹا سمجھ کو چھوڑے یا بلا سمجھے۔

لکن فی شرح العقائد النسفیه: استحلال المعصیة کفر

اذاثبت کونها معصية بدليل قطعي وعلىٰ هذا تفرع ماذكر في الفتاوى من انه اذا اعتقد الحرام حلالا فان كانت حرمة لعينه وقد ثبت بدليل قطعي يكفر والا فلا بان يكون حرمة لغيره او ثبت بدليل ظني وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه ولغيره وقال من استحل حراما قد علم في دين النبي عليه الصلوٰة والسلام تحريمه كنكاح المحارم فكافر. (فتاویٰ شامی ج ۳ ص ۲۶۲ رشیدیہ)

کسی بھی گناہ جائز اور حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا کفر ہے جبکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ آجاتی ہے کہ کسی حرام چیز کا اعتقادِ حلال کرلے اگر وہ حرمت اس کی اپنی ہے (جیسے شراب خنزیر وغیرہ کو حلال سمجھنا) تو کافر ہو جائے گا اور اگر اس کی حرمت کسی اور چیز کے ذریعہ آئی ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا گناہ گار ہوگا۔ جیسے چوری کا آٹا کیونکہ آٹا فی نفسہٖ تو حلال ہے مگر اس کے چوری کرنے کی وجہ سے حرام ہوا ہے۔

رد المحتار بحوالہ شرح عقائد کی درج بالا اس عبارت میں اس بات کی صاف وضاحت کی گئی ہے کہ معصیت کوئی بھی ہو جب اس کو حلال جانا جائے گا تو یہ گناہِ کبیرہ اور کفر کے قریب ہے اور داڑھی منڈوانا تو یقیناً معصیت ہی ہے اور جب کہ دلیلِ قطعی بھی اس کی تائید میں موجود ہو تو پھر کسی حرام کو حلال جاننا اور اس میں مبتلا ہونا یقیناً کفر ہی ہوگا۔

داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

اسلام میں مردوں کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم ہے اور یہ کئی وجہ سے ضروری ہے

(اول) آنحضرت ﷺ داڑھی رکھنے کو ان اعمال میں سے شمار کیا ہے جو تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے پس جس چیز کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ خاتم النبیین تک خدا کے سارے نبیوں نے کی ہو ایک مسلمان کے لئے اس کی پیروی کس درجہ ضروری ہوسکتی ہے وہ آپ خود اندازہ کریں اس کی کتنی قدر قیمت ہونی چاہیے۔

(دوم) پھر آنحضرت ﷺ نے داڑھی بڑھانے اور مونچیں تراشنے کو فطرت فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کاٹنا خلاف فطرت عمل ہے ایک مسلمان کے لئے فطرت صحیحہ کے مطابق عمل کرنا اور خلاف فطرت سے گریز کرنا جس قدر ضروری ہوسکتا ہے وہ واضح ہے۔

(سوم) آنحضرت ﷺ نے داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی ہے تاکیدی احکام کا ضروری ہونا سب کو معلوم ہے۔

(چہارم) اہل تجربہ کا کہنا ہے کہ مردوں کے داڑھی کے بال اور عورتوں کے سر کے بال منہ کے فاضل رطوبتوں کو جذب کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس کی داڑھی گھنی ہو اور بھری ہوئی ہو اس کے مسوڑے اور دانت مضبوط ہوتے ہیں بنسبت اس شخص کے جس کی داڑھی ہلکی ہو اور یہی وجہ ہے کہ مغرب میں چونکہ مرد داڑھی صاف کرتے ہیں اور ان کی عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں اس لئے وہ دانتوں اور مسوڑوں کی بیماریوں میں عام طور پر مبتلاء ہیں مختلف قسم کے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اس کو مسلمانوں کی امتیازی شان قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور مونچیں کترواؤ (بخاری شریف) آنحضرت ﷺ کو اس فعل بد (داڑھی منڈانے) سے ایسی

نفرت تھی کہ جب کسریٰ شاہ ایران کے سفیر بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچیں بڑی ہوئی تھیں آنحضرت ﷺ کو ان کی شکل اور وضع سے کراہت آئی اور نہایت ناگوار لہجے میں فرمایا تمہاری ہلاکت ہو تمھیں ایسی مکروہ شکل بنانے کو کس نے کہا تھا انہوں نے کہا کہ ہمیں ہمارے رب یعنی کسریٰ نے حکم دیا ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچیں کتروانے کا حکم فرمایا ہے۔

فکره النظر اليهما وقال ويلكما!من امر كما بهذا قالا امرنا ربنا يعنيان كسرىٰ فقال رسول الله ﷺ ولكن امرني ربي باعفاء لحيتي وقص شاربي (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۷۰، حیاۃ الصحابہ ج ۱ ص ۱۱۵)

معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانا مجوسیوں کے رب کا حکم ہے اور داڑھی بڑھانا محمد ﷺ کے رب کا حکم ہے غور فرمانے کی بات ہے کہ محمد کے امتی اپنے نبی اور اپنے رب کا حکم ماننا چاہیے یا مجوسیوں کے رب کا؟؟

داڑھی منڈانا حرام ہے

دلائل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فقہاءِ اُمت کے نزدیک ایک مشت کی مقدار میں داڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا یا ایک مشت سے کم کاٹنا حرام ہے۔

داڑھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جہاں اور انسانیت سوز اعمال میں مبتلاء تھی وہیں اُن میں ایک بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ وہ داڑھیاں مونڈھا کرتے تھے اور بڑی بڑی مونچھیں رکھا

رتے تھے ملاحظہ فرمائیں

”واخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا وتزيدهاامتی بخلة اتيان الرجال بعضهم بعضا ورميهم بالجلاهق ولعبهم الحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص اللحية وطول الشارب والصفر والتصفيق ولباس الحرير وتزيدها امتی بخلة اتيان النساء بعضهن بعضا (تفسیر الدر المنثور، سورۂ انبیاء آیت ۷۴)

داڑھی کا مذاق اُڑانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے

داڑھی رکھنا سنت نہیں بلکہ واجب ہے اور اس کا کاٹنا یا تراشنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ کفر ہے دین کا مذاق اڑانا چونکہ نبی کریم ﷺ کی توہین ہے کیا کوئی نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی توہین کر کے بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوگی؟؟ ایک تو داڑھی کا کٹانا گناہ ہے اوپر سے معاصرہ اور اصرار کرنا جو دعوت دے داڑھی رکھنے کی اسے برا بھلا کہنا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

”اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَ

يُمَنِّيْهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ زوَلَايَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا○" (سورۂ نساء آیت ۱۱۷ تا ۱۲۱)

"عن عبد الله ابن مسعود قال لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله... متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۳۸۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا اللہ بزرگ و برتر کی پھٹکار برستی ہے چہرہ یا بدن گودنے اور گدوانے والیوں پر اور اپنی بھنوؤں کو نچوانے والیوں پر اور دانتوں کے مابین حسن کی خاطر فاصلہ کرانے والیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل کرنے والیوں پر۔

حدیث شریف میں تغییر لخلق اللہ کو موجب لعن فرمایا ہے داڑھی منڈانا یا کاٹنا بالمشاہدہ اس سے زیادہ تغییر کا اتباع شیطان ہونا اور اتباع شیطان کا موجب لعنت و موجب خسران ہے۔ یہ قول کہ باطن درست رکھنا چاہیے ظاہر کی درستگی چنداں ضروری نہیں اس کے جہل کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ اگر کوئی باغی سلطان سے کہہ دے کہ میں دل سے آپ کا مطیع اور فرمان بردار ہوں اور ظاہر میں آپ کی فرمانبرداری کی چنداں ضرورت نہیں یا کوئی شخص کسی مجلس میں بول براز میں کپڑوں کو آلودہ کر کے آبیٹھے جب اس کی ملامت کی جائے اور تبدیلی لباس کا کہا جائے وہ یہی کہہ دے کہ باطن پاک ہے ظاہر کی صفائی کی چنداں ضرورت نہیں تو کیا بادشاہ یا اہل مجلس اس کی بات کو معقول تصور کریں گے اگر نہیں قبول کریں گے یقیناً قبول نہیں کریں گے تو اہل شرع کیونکر اس عذر کو قبول فرمالیں اور

یث خالفو المشرکین الخ کی نسبت بعض کا کہنا کہ اس زمانے میں بہت سے
رک داڑھی رکھتے ہیں اس لئے ہم ان کی مخالفت کے واسطے داڑھی منڈاتے ہیں ٹھیک
ہیں ہے کیونکہ احکام شریعت کے ساتھ کبھی کوئی مصلحت مذکور ہوتی ہے وہ کبھی علت ہوتی
ہے اور کبھی حکمت ہوتی ہے علت کے ساتھ کوئی حکم وجوداً اور عدماً دائر ہوتا ہے لیکن حکمت
کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا یعنی حکمت کی تبدیلی سے حکم تبدیل نہیں ہوتا اور اس فرق کا سمجھنا
راسخین فی العلم کا خاصہ ہے پس خالفوالمشرکین کا مقرون فرمانا بطور حکمت کے ہے بطور
علت کے نہیں ہے حرمت کا مدار تغییر یعنی صورت کا بگاڑنا ہے نہ مخالفت۔ اس کی دلیل یہ ہے
کہ بعض احادیث میں جو یہ حکم آیا ہے وہ اس سے مطلق ہے جیسا کہ

"عن زید بن ارقم ان رسول الله ﷺ قال من لم یاخذ من شاربه فلیس منا (مشکوٰۃ ص ۳۸۱)

جو شخص اپنی مونچھوں میں سے نہیں لیتا پس وہ ہم میں سے نہیں

عن ابن عباس قال لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال"

(مشکوٰۃ ص ۳۸۰)

کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا روپ دھارتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی حاکم رعایا سے کہے کہ دیکھو قانون کو مانو فلاں قوم کی
طرح شورش مت کرو تو کیا اگر وہ قوم اتفاق سے شورش چھوڑ دے تو کیا اس حالت میں رعایا
کو اس قوم کے ساتھ اس میں بھی مخالفت کرنا چاہیے اس بنا پر کہ اول ان کی مخالفت کا حکم ہوا

تھا، لہٰذا خلاصہ نکلا کہ داڑھی کا رکھنا شریعت میں ضروری ہے، اور اس کا کاٹنے والا گناہ گار ہوگا بروز قیامت نبی کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

داڑھی کا فلسفہ اور اس کے رکھنے حکم

مسلم قوم ایک مستقل اور ممتاز ملت ہے جو تمام اقوام وملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل ومالک ہے اللہ نے اس کو اقوام عالم پر شاہد وعادل بنا کر بھیجا

”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا“ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۳)

یعنی ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں تم لوگ بہترین امت ہوں جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے رسم ورواج میں اہل وطن (ہنود) کی اتباع تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قوم وملت کے خصوصیت کی بقاء اور تحفظ کے لئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے مسلمان اپنی قومی وملی خصوصیات وامتیازات کو فرنگیت کی بھینٹ چڑھا کر انہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔ یاللعجب کل جو قوم اقوام عالم کے لئے جاذب ومصلح تھی (مقتداء اور راہنما تھی) ہر قوم اسلام کی دامن میں پناہ کے متلاشی تھے،،

اس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے دوسروں کی نقالی ہی کو معیار خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

داڑھی اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے بلکہ انسانی وفطری اصول سے اہم ترین اس میں سے ہے، لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے درپہ ہے اور اور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت اور انسانیت کے لئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ ہی ہے، اس لئے داڑھی جب اسلام کا شعار ہے وہ داڑھی کٹوانا یا منڈانا اور مونچھوں کا انا یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شعار ہے۔

می کے بال کہاں سے شروع ہوتے ہیں

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہوتی ہے اس او پر سر اور سر کی حد تک منڈانا درست ہے داڑھی کی حد سے درست نہیں بالوں کو کٹوانا۔

می منڈانا کب سے شروع ہوا

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ عمل قوم لوط سے شروع ہوا، غالباً ان مردوں کی داڑھیاں آجاتی تھی تو مزد ہی رہنے کی غرض سے وہ داڑھی منڈوایا کرتے تھے جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس بڑے کاموں کی وجہ سے قوم لوط ہلاک

ہوئی۔جن کی تفصیل ماقبل میں گذر گئیں۔

دنیا کی خاطر داڑھی منڈانا

ملازمت کرنا یا کسی اور ذریعہ معاش کو اختیار کرنا شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کا حکم دیا ہے کہ انسان فرض کی ادائیگی کے بعد کوئی بھی ذریعہ معاش اختیار کرے لیکن معاش کی خاطر شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو چھوڑنا حرام کا ارتکاب ہے کیونکہ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اس کا منڈانا مشت سے کم کرانا حرام ہے لہٰذا ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانے یا کٹانے کی اجازت نہیں اگر اس کے بغیر ملازمت نہ مل رہی ہو تو تب بھی داڑھی منڈانے کے جرم عظیم کا ارتکاب نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس سے دعا کرتے رہے اور فراخی رزق کا انتظار کرے۔

”وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (سورۂ طلاق)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کی نافرمانی اور گناہ کا کام نہیں کرتا تو حق تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات) سے نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے (اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ) کافی ہے۔حدیث شریف میں ہے

لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فان اللہ لا یدرک ما عندہ الا بطاعتہ (السلسلۃ الصحیحہ ۲۸۶۶)

یعنی تمہیں رزق دیر سے ملنا اس بات پر امادہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ رزق طلب کرنے لگو۔ بے شک اللہ کے پاس جو خزائن ہیں انہیں اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

داڑھی تینوں جانب سے ایک مشت ہونی چاہیے ان تمام آیات و احادیث اور اقوال صحابہ وائمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ داڑھی کسی صورت میں منڈانا جائز نہیں اور نہ کوئی عذر قابل قبول ہے۔

اگلے صفحات پر اس سلسلے میں چند مشہور و معروف فتاویٰ پیشِ خدمت ہیں

مفتی اعظم پاکستان سابق صدر دارالافتاءو
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کا ابد نشان فتویٰ

اب سے ۳۲ سال قبل مفتی اعظم پاکستان اور اس زمانے کے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے صدر دارالافتاء حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک استفتاء کا جواب لکھا تھا جو کہ اس مسئلہ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی ضرورت کے پیش نظر اسے اہم سمجھتے ہوئے اس کو اپنی اس تحقیق کے آخر میں درج کیا ہے تا کہ یہ ابد نشان فتویٰ سب قارئین تک پہنچ جائے اور محفوظ ہو جائے۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(۱) داڑھی کترے حافظ کے پیچھے نماز خواہ فرض ہو یا تراویح ہو کیا حکم ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی کی کوئی خاص اہمیت نہیں اگر کوئی اہمیت ہوتی تو سعودی عرب میں چھوٹی چھوٹی داڑھی ہے، مصر کا شہر بھی مسلمانوں کا ہے اور ۹۹ فیصد لوگ داڑھی کترواتے اور منڈواتے ہیں۔

(۲) بعض مساجد میں انتظامیہ کی طرف سے ایسے حفاظ کو تراویح کی اجازت دی جاتی ہے، کیا اس سلسلے میں انتظامیہ پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، صحیح جواب سے نوازیں۔ شکریہ

الجواب باسمہ تعالیٰ

(۱) بصورتِ مسئولہ داڑھی رکھنا واجب ہے، داڑھی مونڈنا ایک مُشت سے کم کرنا ناجائز و حرام ہے۔ داڑھی کترا حافظ بے شک فاسق و فاجر ہے جب تک کہ اس فعل سے توبہ نہ کرے۔

نیز مکروہِ تحریمی پر عمل کرنا عملاً حرام ہے، جو شخص داڑھی ایک مُشت سے کم کرتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے، داڑھی ایک مُشت رکھنے پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ شامی، عالمگیری اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

والقصر سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها علىٰ قبضة قطعه ذكر محمد

(۲) نیز اس فعلِ قبیح کے ارتکاب میں انتظامیہ برابر کی شریک ہوگی۔

تواریخ میں لکھا ہے کہ جب کسریٰ شاہِ ایران نے جنابِ نبی کریم ﷺ کا مکتوب مبارک پھاڑ کر اپنے ماتحت گورنر یمن بازان کو لکھا کہ دو آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجو کہ وہ جا کر آنحضرت ﷺ کو میرے پاس بھیج دیں۔ بازان کے دو آدمی جب آنحضرت ﷺ کے

پاس حاضر ہوئے تو ان دونوں کی داڑھیاں مونڈھی ہوئیں تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔

وكان على ذى الفرس من حلق لحاهم واحفاء شواربهم فكره صلى الله عليه وسلم النظر اليهما وقال ويلكما من امر كما بهٰذا قال امرنا ربنا يعنى ان كسرىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن ربى قد امرنى باعفاء لحيتى وقص شاربى

ان دونوں مجوسیوں کی فیشن کے مطابق داڑھیاں منڈھی ہوئی تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں تو آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ مکروہ شکل بہت ہی ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو تم کو کس نے ایسی مکروہ شمک بنانے کا حکم دیا ہے انہوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ نے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔

غور کیجئے وہ دونوں مہمان تھے، کافر تھے اور ہمارے مذہب کے پابند ہی نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی یہ بُری صورت فطرتِ سلیمہ کے خلاف تھی اور شیطان لعین کے حکم کے مطابق تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کو اُن کی یہ مکروہ شکل دیکھنا بھی گوارا نہ ہوئی اور ان سے منہ موڑ لیا اور ان کو بد عائیہ جملہ فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو، ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمادی کہ میرے رب تعالیٰ نے تو مجھے پوری داڑھی رکھنے کا اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایا ہے گویا جو داڑھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی مقدار وہ ہے جو جنابِ نبی کریم ﷺ نے خود رکھ کر بتلائی کہ سینہ مبارک بھر دیتی تھی، پس آپ ﷺ کے محب امتیوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ ان مجوسیوں کی اتباع کر کے روزانہ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور ان کے یہ

اعمال روزانہ فرشتے جنابِ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو آپ ﷺ کو یہ حرکات دیکھ کر کتنا دکھ ہوگا اور میدان قیامت میں جنابِ نبی کریم ﷺ کے امتی ایسی مکروہ صورت میں آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوں تو اس وقت اگر آپ ﷺ ان سے منہ موڑ لیں تو کتنا بڑا خسارہ ہے۔

(۱) تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۵
(۲) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹
(۳) ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۰
(۴) سیرتِ حلبی ج ۲ ص ۲۴۷
(۵) البدایہ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۶۹

شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا فتویٰ

سوال: کیا داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے ؟

جواب: مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔

(الف) ہر نظام سلطنت اور سیاست میں مختلف شعبوں کے لئے کوئی نا کوئی یونیفارم مقرر ہے۔ پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے اور بحری فوج کا اور ہے، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر کوئی ملازم یونیفارم میں نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے۔

خواص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے ندماء اور وزراء مقربین کا اور۔ یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے اور جس طرح یہ ایک نظام سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے اگر آپ تفتیش کریں گے تو انگلینڈ فرانس جرمنی اٹلی اسٹریلیا امریکہ وغیرہ وغیرہ کو پائیں گے وہ اپنے اپنے نشانات جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اور اسی سے میدان جنگ ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے اور ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو

محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت واقعات پیش آجاتے ہیں کسی حکومت کے جھنڈے کو گرادیجئے کوئی توہین کردیجئے کہیں سے اعماز دیجئے دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہوتی ہے یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں بعض قوموں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے الغرض یہ طریقہ امتیاز جماعہائے مختلفہ اور اقوام حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ وکئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے ممیز نہ ہوسکے ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے پولیس ہے یا ڈاکیا؟ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افیسر یا ماتحت جرنیل ہے یا میجر اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی امریکن ہے یا اسٹریلین وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنی یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہوگئی حتی کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اسی ہندوستان میں یونانی آئے افغان آئے آریہ آئے تاتار آئے ترک مصری اور سوڈانی آئے مگر مسلمان سے پہلے جو قومیں بھی آئیں ان میں سے کوئی ملت اور قوم متمیز ہے کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جاسکتی ہے سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہوگئے وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کرلیا تھا دھوتی چوٹی ساڑھی رسم ورواج وغیرہ ان ہی کے تابع ہوگئے۔ اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے

اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہی نہیں باقی رہی۔ ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم باقی رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں پرشین قوم ہندوستان میں آئی ہندو قوم اور راجاوں نے ان کو ہضم کرنا چاہا عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا معیشت اور زبان، بدلوادی مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی سر اور داڑھی کے بال کو محفوظ رکھا آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔

انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں نہایت سرد ملک میں بھی رہنے والا ہے مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ اور پتلون ہیٹ بوٹ نک ٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ قوم والا اپنے میں ہضم نہ کرسکا اس کی قوم وملت علیحدہ ملت ہے اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسا کہ مسلمانوں سے پہلے قومیں ہضم ہوکر اپنا نام ونشان مٹا گئیں۔ آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ وہ اپنے یونیفارم محفوظ رکھا بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے صرف یہی نہیں کیا کہ پائجامہ اور کرتہ عبا، قبا، عمامہ، دستار کو محفوظ رکھا بلکہ مذہب اسماء الرجال تہذیب وکلچر رسم ورواج زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا اس لئے اس کی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات ہوتی رہے گی رہیں گی۔

(ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم اس کا کلچر اس کا مذہب اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک اور اقوام میں پھیل جائے آریہ قوم کی تاریخ پڑھو فارسیوں کا کارنامہ دیکھو کلدانیوں اور عبرانیوں کے تاریخ کا مطالعہ کرو یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی عراق سیریا فلسطین مصر سوڈان الجیریا تیونس مراکش فارس صحرائے لیبیا وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے نہ اسلامی رسم ورواج سے مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب جاری کردی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں کلدانی نسلیں عبرانی خاندان ترکی برادریاں بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں میں مضم ہوگئیں اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب وخیال ہے سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرے سے نکلتا ہے کینڈا آسٹریلیا نیوزی لینڈ کیپ کالونی ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب اپنا مذہب اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوئے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہوجاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی

طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کر رہی ہے اس کا لکچرار کھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو بالکل اسی یا نوے فیصدی الفاظ سنسکرت یا بھاشا بولتا ہے مگر اس چیز کو اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے بڑے بڑے گروکل اور دویا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جارہے ہیں حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کو بولنے والا موجود نہیں ہے اور غالبا کسی زمانے میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے اس کا ایم ایل سی اور ایم ایل اے اسمبلی کے پریذیڈنٹ کونسل کا پریذیڈنٹ اس کی قوم کا جج ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہن کر بر سر اجلاس آتا ہے حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا سردی اور گرمی سے پوری حفاظت نہیں ہوتی باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا چوٹی سر پر رکھنا جینو لگانا ضروری سمجھتا ہے یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار اور قومی یونیفارم نہیں ہے تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟ گرونانک اور اس کے اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں تو بال اور سر کا نہ منڈانا داڑھی کا نہ کتروانا یا نہ منڈانا لوہے کے کڑے کا پہننا کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا آج اپنے شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے مگر بالوں کا منڈانا یا کتروانا قبول نہیں کرتی اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تو دنیا سے اس کی

امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جائے گی مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں تہذیب و کلچر میں بود و باش میں زبان اور عمل میں قائم کرے اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد اور اخلاق اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو ان کے لئے جان اڑا دے اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الہی بندوں کی یونیفارم ہو جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں میں متمیز ہو اور علیحدہ ہو جائے ان کی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے چنانچہ یہی راز ''**من تشبہ بقوم فھو منھم**'' کا ہے جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے کہیں فرمایا جاتا ہے ہم میں مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے۔

''فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس راوہ الترمذی''

(مشکوٰۃ ص ۳۷۴)

اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی اسی بنا پر ازار اور پائجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے نصاری سے مجوسیوں سے امتیاز و علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے

اوران کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور داڑھی کو بڑھانا بھی ہے

”خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفوا اللحى“

(بخاری شریف ج ۲ص ۸۷۵، مسلم شریف ج ۱ص ۱۲۹)

”جزوا الشوارب ارخوا اللحىٰ وخالفوا المجوس“

(مسلم شریف ج ۱ص ۱۲۹، ابوعوانہ ج ۱ص ۱۸۸)

”من لم يأخذ من شاربه فليس منا“

(مسندِ احمد، ترمذی شریف ج ۲ص ۱۰۰، سنن نسائی مشکوٰۃ ص ۳۸۱)

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین مجوسی داڑھی منڈاتے تھے جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امران کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم دیا جاوے نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لوگوں کا داڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانے میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے جو کہ ان میں جاری تھا کہ داڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھے کٹاتے تھے غلط ہے بلکہ اس زمانے میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے

لاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو۔

اسی طرح حدیث

''عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواک''

وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں ا انبیاء اور مرسلین ﷺ کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا داڑھی کا نہ منڈوانا ہے ونکہ فطرت انہیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے۔ جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے م جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرہ کے من سنن المرسلین یا اس کے ہم معنی موجود ہے اصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیہ کا ہمیشہ سے فارم رہا ہے اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم اور شعار بنائے ہوئے تھی ں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لئے دو وجہ ے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضاء فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ چال چلن صورت سیرت فیشن کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا ے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہی رہا ہے اور ں ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔ آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد ﷺ مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بنا پر بھی جوان کے خصوصی شعار اور فیشن ں ہم کو اس سے انتہائی تنفر ہونا چاہیے خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈسٹون فیشن خواہ وہ فرنچ ن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے یا تہذیب

وعادات سے ہر جگہ اور اور ہر ملک میں یہی طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے۔ کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری۔ بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں اس لئے ہماری جدو جہد اس میں ہونی چاہیے کہ ہم غلامان محمد ﷺ اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرسزن و ہارڈنگ و فرانس امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے۔ سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرار ہے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں پٹیل کی داڑھی کو دیکھئے برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے۔ یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔ (مکتوبات ۲/۱۴۱۔۱۵۰)

مفتی اعظم پاکستان مفسرِ قرآن
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

باجماعِ امت داڑھی منڈانا حرام ہے، اسی طرح ایک قبضہ (مٹھی) سے کم ہونے کی صورت میں کتروانا بھی حرام ہے، ائمہ اربعہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے۔

حنفی مذہب

ویحرم علی الرجل قطع لحیۃ الخ واما الاخذ منھا وھی ما دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد

(فتح القدیر و درمختار وغیرہ)

حرام ہے داڑھی کاٹنا اور اس حال میں کہ ایک مٹھی سے کم ہو، کترنا کسی کے یہاں مباح نہیں۔

مالکی مذہب

مذھب السادۃ المالکیۃ حرمۃ حلق اللحیۃ و کذا قصھا اذا کان یحصل بہ مثلۃ (الابداع فی منار الابتداع)

حرام ہے منڈانا اور کتانا داڑھی کا جب کہ اس سے مثلہ ہو جاوے۔

شافعی مذہب

فی شرح العباب قال الاذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها وقال ابن الرفعة بان الشافعی رحمه الله نص فی الامّ علی التحریم۔

حرام ہے منڈانا داڑھی کا بلا عذر، تصریح کی اس کی امام شافعی رحمہ اللہ نے امّ (کتاب) میں۔

حنبلی مذہب

منهم من صرح بان المعتمد حرمة حلقها ومنهم من صرح بالحرمة و لم یحک خلافاً کصاحب الانصاف یعلم ذالک من شرح المنتهیٰ و شرح المنظومة الاداب وغیرها۔

تصریح کی اس پر کہ حرام ہے منڈانا داڑھی کا تصریح کی حرمت پر اور کسی کا خلاف نقل نہیں کیا۔

ان تصریحات سے داڑھی کے مسئلے کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، کسی بھی چیز ائمہ اربعہ کا اتفاق کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہیں، اور تو اس کا اختلاف ناقابلِ التفات ہے، داڑھی کو سر کے بالوں اور پٹھوں پر قیاس کرنا بھی تعلیماتِ شریعت سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے۔ احادیث سے بال رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی اجازت ثابت ہے قال احلقوہ کلہ اور اترکوہ کلہ (ترجمہ) مونڈ و تمام کو یا چھوڑ دو تمام کو (سنن ابی داوٗد باسناد صحیح علی شرط البخاری و مسلم) پٹھے رکھنے اور نہ رکھنے کا

...تعلق عادت سے ہے حکم شریعت نہیں یوں کوئی پیغمبر کی اتباع سے رکھے تو مستحب اور باعث ثواب ہے۔ (منقول از بعض الفتاویٰ)

(جواہر الفقہ ج ۷ ص ۱۵۹)

دارالعلوم دیوبند
کے دیگر فتاویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں

امدادالفتاویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ’’امداد الفتاویٰ‘‘ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

ایک تو داڑھی کا منڈانا یا کٹانا معصیت ہے ہی، مگر اوپر سے اصرار کرنا اور مانعین سے معارضہ کرنا یہ اس سے زیادہ سخت معصیت ہے۔ (ج ۴ ص ۲۲۱)

داڑھی رکھنا واجب ہے اور قُبضہ سے زائد کٹانا حرام ہے۔ (ج ۴ ص ۲۲۳)

امدادالاحکام

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ’’امدادالاحکام‘‘ میں ایک سوال کے جواب لکھتے ہیں کہ

’’داڑھی کا مونڈنا حرام ہے اور کتر کر ایک قبضہ سے کم کرنا بھی حرام ہے‘‘

(امدادالاحکام ج ۴ ص ۳۴۶)

فتاویٰ مفتی محمود

داڑھی کا کاٹنا کسی نے بھی اس کو مباح نہیں لکھا گویا اس کی حرمت پر اجماعِ اُمت

ہے۔(ج۲ص۸۷)

طویل بحث کے بعد دوسری جگہ لکھا ہے

بہرحال قبضہ سے کم کے کترانے کے عدمِ جواز پر اجماع ہے اور یہی مذہب ائمہ

اربعہ ہے۔(ج۲ص۱۰۴)

شرعاً داڑھی کو مطلق چھوڑنے کا حکم ہے اور بقدرِ مشت کم از کم داڑھی چھوڑنا

واجب ہے۔داڑھی منڈانا یا حدِ سنت یعنی بقدرِ مشت سے کم کتروانا اور اس پر دوام واصرار

کرنا شرعاً فسق و گناہِ کبیرہ ہے۔(ج۲ص۱۱۱)

کفایت المفتی

داڑھی رکھنا واجب ہے، داڑھی منڈوانے والا فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ

ہے۔(ج۴ص۱۸۸)

فتاویٰ رحیمیہ

شریعت میں داڑھی کی بہت اہمیت ہے، یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت ہے

نبی اقدس ﷺ کا دائمی عمل ہے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کو تاکیدی حکم فرمایا

ہے، لہٰذا مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک

(ایک مشت) ہے اور داڑھی منڈانا حرام اور گناہِ کبیرہ اور موجبِ فسق ہے اور اس پر
کا اجماع ہے۔ (ج ۴ ص ۱۵۵)

فتاویٰ محمودیہ

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے
ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے، صحابہ کرام کا بھی عامۃً معمول یہی تھا۔ تو گویا یہ چیزیں
الی ہیں، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے لکھا ہے " ویحرم علی الرجل قطع لحیة"
مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹانا یا چھوٹی رکھنا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں۔
(ج ۶ ص ۱۲۳)

احسن الفتاویٰ

داڑھی قبضے سے کم کرنا حرام ہے بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے
لئے کہ اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور اللہ
الی اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت کا اظہار واعلان ہے۔ اسی لئے حضراتِ فقہاءِ کرام نے
مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں اعلانیہ کھائے پیئے وہ واجب القتل ہے، کیونکہ وہ
طور پر شریعت کی مخالفت کررہا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ " کل امتی معافی
الا المجاھرین " میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر اعلانیہ گناہ کرنے والے معافی کے
لائق نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر داڑھی

کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے، سو رہا ہے تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتیٰ کے نما وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے، قومِ لوط کے اسبابِ عذاب میں داڑھی کٹانا بھی ہے (درمنثور)۔ (ج ۳ص ۲۶۰)

فتاویٰ حقانیہ

داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنتِ قدیمہ ہے اور شعائرِ اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے، فقہاءِ کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب ہے جس کی مقدار ایک مشت ہے، اس سے کم داڑھی رکھنا خلافِ سنت ہے۔ (ج ۲ص ۴۶۷)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ایک سوال کے جواب میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ

''درمختار میں ہے کہ چار انگشت سے کم داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے'' **واما قطعها وهي دونها فلم يبحه احد الخ** ''اور نیز درمختار میں ہے'' **ولذايحرم على الرجل قطع لحية**'' (ج ۳ص ۱۲۹)

حلیۃ المسلمین

محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالے ''حلیۃ المسلمین'' میں تحریر فرماتے ہیں

''حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتباع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے دور میں قبضہ

(مٹھی بھر) سے کم داڑھی کا کوئی ثبوت نہیں اور خلافتِ راشدہ میں بھی اس کی کوئی مثال موجود نہیں، اس مبارک دور میں تمام مسلمان از شرق تا غرب از شمال تا جنوب جہاں بھی موجود تھے داڑھی کی پابندی کرتے تھے، البتہ یہود و مجوس اور نصاریٰ و بد اطمن فرقوں کی بات جدا ہے لیکن جس زمانے میں خلافتِ راشدہ نہ تھی اور اسلام کے احکام بھی من وعن نافذ نہ تھے اس زمانے میں بھی بے ریش کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور حسبِ مقدور اس کو سزا دی جاتی تھی تا کہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو۔" (ص ۶)

یہ ایک مختصر اقتباس ہے جو کہ حضرت والا کے رسالے سے تحریر کیا گیا ہے، اگر تفصیل قارئین کرام کو درکار ہو تو مکمل رسالہ حاصل کر کے فیض حاصل کریں۔

نجم الفتاویٰ

نجم الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ

"داڑھی جنابِ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے جس کی توہین موجب کفر ہے" (نجم الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۴)

وفي السماء رزقكم وما توعدون

احسن القربات بمنع الزکوة الی السادات

''یعنی سادات کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت''

احادیث وآثار سے یہ بات واضح ہے کہ ہر صدقاتِ واجبہ اور فرضیہ جناب نبی کریم ﷺ کی آل پر حرام قرار دئے گئے ہیں اور جا بجا احادیث وآثار اس مسئلہ میں دال ہیں کہ کبھی بھی جناب نبی کریم ﷺ یا آپ کی آل پر آپ ﷺ نے صدقات یا زکوٰۃ کو لوگوں کا میل کچیل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں فرمایا، جائز تو بہت دور کی بات ہے آپ ﷺ نے ایک لقمہ بھی اس کا گوارہ نہیں فرمایا۔

جناب نبی کریم ﷺ کی کمال احتیاط

ہمارے پیغمبر کو دیکھیں کہ بھوک لگی ہے اور کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے اچانک بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ یہ نہیں کھا سکتا

"عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد تمرۃ فقال لولا ان تکون صدقۃ لاکلتھا" (مسلم ج ۱ ص ۳۴۴)

کہیں زکوٰۃ میں سے نہ ہو حالانکہ کھجور کتنی چھوٹی سی چیز ہے، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے نواسے ہیں اور کیسا نواسہ ہے؟ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"ان ابنی ھذا سید یصلح اللہ علی یدیہ بین فئتین"

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸)

میرا یہ نواسہ ان شاء اللہ سردار ہے اور اس کے ذریعے امتوں کے بڑے جھگڑے اللہ تعالیٰ ختم کرے گا۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کو اٹھایا اور فرمایا

"قال قال رسول اللہ ﷺ الحسن والحسین سید ا شباب اهل الجنة"

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸)

یہ دونوں جنت کے پھول مجھے یہاں دئے گئے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نیچے سے کھجور اٹھالی اور منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ نے ان کے منہ میں انگلیاں دیں اور فرمایا باہر نکالو

"انا لا ناکل الصدقة" (بخاری ج ۱ ص ۲۰۲)

کہیں زکوٰۃ کی کھجور نہ ہو میری اور میری آل اولاد کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔

سادات کا زکوٰۃ لینا کسی حال میں جائز نہیں

آج کل جاپانی قسم کے سادات نکل آئے ہیں ایک طرف تو خود کو سید کہتے ہیں اور دوسری طرف زکوٰۃ خور بھی بنے ہوئے ہیں

شرم تم کو مگر نہیں آتی

آنحضرت ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا ابو رافع، جب اسلام کی فتوحات ہوئیں اور دور دراز تک لوگ مشرف با اسلام ہوئے۔ ان کی طرف سے افراد آتے تھے کہ حضرت فصلیں تیار ہیں مویشیاں گن لی گئی ہیں، سونا اور چاندی وزن کرلیا گیا ہے اگر خدمت اقدس

سے کوئی معتمد آئے اور جمع کرلے تو ہمیں آسانی ہوگی، آپ ﷺ نے پورا نظام بنایا اور چند لوگوں کو مقرر کیا اس دوران آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کا اتنا احترام کرتا ہوں جیسے باپ کا کیا جاتا ہے۔

(ترمذی ج۲ص ۲۱۷)

اسی چچا نے ابورافع کو کہا کہ آپ کو تو حضرت ﷺ نے آزاد کردیا ہے اور تیری شادی بھی ہونے والی ہے اور تجھے ولیمہ بھی کرنا ہوگا تو اس میں بڑا خرچہ ہوگا لہٰذا حضرت ﷺ اس وقت لوگوں کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے مقرر کررہے ہیں، آپ بھی ان میں شریک ہوکر اس جماعت کے ایک رکن بن جائیں، جب زکوٰۃ جمع ہوجائے گی تو آپ کو بھی اس میں سے حصہ مل جائے گا اس سے اپنی شادی اور ولیمہ کی ضروریات پوری کرلینا، یہ بڑا صاف ستھرا مسئلہ تھا، حضرت ابورافع کے ساتھ بڑا احسان تھا تو ابورافع خدمت اقدس میں آئے اور آپ ﷺ سے گزارش کی تو آپ ﷺ نے حضرت عباس کو بلوایا، آپ ﷺ کا کیا کمال علم نبوت ہے ایک مسئلہ سے سارے جہاں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آئندہ کوئی غلطی نہ کرے تو آپ ﷺ نے ابورافع کو کہا دوبارہ کہو کیا چاہتے ہو اس نے کہا حضرت آپ کی عنایت سے غلامی سے نکلا ہوں اور آزاد ہوں اور آپ کی اللہ نے مدد فرمائی اور فتوحات دیں، پورے جہاں سے زکوٰۃ جمع ہورہی ہے اس زکوٰۃ میں سے خدمت کے عوض میں جب میں کام کروں مجھے بھی مل جائے تو میری شادی اور ولیمے کا کام ہوجائے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ ہمارے دوست رہے ہیں سبحان اللہ غلام کو کہتے ہیں انت مولانا آپ ہمارے رہے ہیں

"وان موالی القوم من انفسھم" (جامع ترمذی جلد اص ۸۳)

پیغمبر کا غلام بھی پیغمبر کے خاندان کا فرد ہوتا ہے۔ یہ زکوٰۃ جس طرح میرے لئے اور میری اولاد کے لئے حرام ہے تیرے لئے بھی حرام ہے، اس زکوٰۃ میں سے آپ نہیں لے سکتے ہیں۔

یہ پیغمبر کی عالی تعلیمات ہیں اور وہ اخلاق ہیں جو کہ امت کو تلقین کئے گئے ہیں۔ آج وہی امت مختلف حیلوں اور بہانوں سے سود اور دیگر حرام چیزوں کو حلال کرنے کی درپے ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ فرمائے اور اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جتنے بھی برائی کے راستے ہیں ان کو ختم فرمائے۔

حال ہی میں چند تحریرات نظر سے گزری ہیں جن میں مسئلہ جواز الی السادات کے سلسلے میں کچھ مشاہیر اور مشائخ کرام کے نام بغیر تنقیح کے دیئے گئے ہیں جن میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

سو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اولاً احادیث رسول ﷺ سب کی سب نہی اور حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ کما لا یخفیٰ علی من له اطلاع بالصحاح السته، ثانیاً جو روایت صاحب ہدایہ وغیرہ نے خمس الخمس کی پیش کی وہ صحیح نہیں محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام مرحوم نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس جگہ غریب کہہ کر اس کی صحت کا انکار کیا ہے اور حرمت پر دلالت کرنے کے لئے ابورافع رضی اللہ عنہ غلام رسول ﷺ کا واقعہ پیش کیا ہے اور سادات کو زکوٰۃ دینے کے جواز کا انکار کیا ہے اور اس کو احناف کا قوی اور مختار مذہب کہا

ہے۔ ثالثاً مشہور ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے خمس منقطع ہونے کے بعد جواز کا فتویٰ دیا ہے یا امام صاحب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے یہ بھی ہرگز درست نہیں کیونکہ امام طحاویؒ نے دو نظر پیش کئے ہیں۔

ایک یہ کہ لفظ صدقہ کی وجہ سے بعض حضرات نے بنو ہاشم کو نفلی صدقات دینے سے بھی انکار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں بلکہ فرض اور واجب صدقات دینا منع ہے اور نفلی دیے جا سکتے ہیں۔

دوسری نظر امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ پیش کی، کہ اگر بنو ہاشم عامل زکوۃ بنے تو کیا اس کا (محنتانہ) زکوۃ میں سے دیا جا سکتا ہے؟ تو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کر کے اسے جائز کیا ہے، سو یہ صاف واضح ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا'' **ھو علیھا صدقۃ وھو لنا ھدیۃ** '' (بخاری ج ۱ ص ۲۰۲) اگر امام طحاوی خمس کے منقطع ہونے کی وجہ سے مطلقاً جواز کے قائل تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں حیلے سے تبدل ملک سے تبدل وصف کا قاعدہ ذکر نہ فرماتے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی کسی اور کتاب میں یہ جواز منقول ہے تو گزارش یہ ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ سے تین چیزیں متواتر ہیں (۱) شرح معانی الآثار جو علماء کے یہاں عرصہ دراز سے درسی کتاب ہے (۲) دوسری مشکل الآثار اس میں اس قسم کے مباحث نہیں (۳) تیسری احکام القرآن بحمد للہ تینوں کتابوں سے بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کے عدم جواز کو حدیث اور فقہ کے مطابق حنفیہ کا مذہب ثابت فرمایا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں فرمایا علت حرمت زکوٰۃ کا اوساخ ہونا ہے نہ کہ خمس لہٰذا خمس منقطع ہونے کے باوجود حرمت برقرار ہے۔ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم کے کائنات میں سب سے زیادہ شناور حضرت الاستاذ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم اور حضرت الشیخ امام العصر کے علوم حدیث اور فقہ کو محفوظ کرنے کے لئے حضرت نے معارف السنن جمع فرمائی ہے۔ معارف السنن میں حضرت نے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہی مبرھن فرمایا ہے۔

(معارف السنن ج ۵ ص ۲۶۵)

اگر حضرت اقدس شاہ صاحب مرحوم کی یہ تحقیق با قاعدہ رائے ہوتی تو حضرت ضرور ذکر فرماتے اس لئے فیض الباری پر معارف السنن کے مقابلے میں اعتماد ہر جگہ مناسب نہیں ہے۔ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اور بلوچستان میں بعض غیر محقق اعمال چل پڑے ہیں ان میں یہ خیال کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز بھی ہے اور پھر امام طحاوی رحمہ اللہ کی کسی غیر ثابت شدہ عبارت کو شاذ مواطن سے امام طحاوی رحمہ اللہ کی تحقیق اور ترجیح یا حنفی مذہب کا قول سمجھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے بہت شروع میں اس پر با قاعدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام

''الکلام الحاوی فی حل عبارۃ الطحاوی''

اس کتاب میں محقق العصر نے ابو عصمہ وغیرہ کے ضعیف اقوال کا تفصیلی رد کیا ہے۔ باقی تفصیل مقالہ مکمل دلائل کے ساتھ ماہنامہ الاحسن کے کارپردازوں نے اس عاجز کی نگرانی میں ترتیب دیا ہے جو کہ اگلے صفحات پر پیش کیا جارہا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں سادات کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت

صحیح بخاری

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر اصحاب صحاح ستہ نے اس مسئلہ پر احادیث جمع فرمائیں ہیں جو کہ ہم آگے پیش کر رہے ہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب بھی جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ ﷺ اسے تناول فرمانے سے پہلے دریافت فرماتے تھے کہ کہیں وہ صدقہ نہ ہو

(۱) عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أتى بطعام سأل عنه اهدية ام صدقة فان قيل صدقة قال لاصحابه كلوا ولم ياكل وان قيل هدية ضرب بيده فاكل معهم

(بخاری ج اص ۳۵۰)

اسی طرح دوسری جگہ ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی تو جناب نبی کریم ﷺ نے ان کے منہ سے اس ڈر سے واپس نکلوائی کہ کہیں وہ صدقہ کی کھجور نہ ہو۔

(۲) عن ابی هريرة ان الحسن بن علی اخذ تمرة من تمر الصدقة فجعلها فی فيه فقال النبی صلى الله عليه وسلم كخ كخ اما تعرف انا لا ناكل الصدقة (بخاری ج اص ۴۳۲)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی نقل فرمائی ہے اور وہ اس طرح ہے

(۳) عن ابی هريرة قال كان رسول الله ﷺ يوتى بالتمر عند صرام النخل فيجئى هذا بتمره وهذا من تمره حتىٰ يصير عنده كوما من تمر فجعل الحسن والحسين يلعبان بذٰلك التمر فاخذاحدهما تمرة فجعله فى فيه فنظر اليه رسول الله ﷺ فاخرجها من فيه فقال اما علمت ان اٰل محمد لا ياكلون الصدقة. (بخاری ج۱ص۲۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ کھجوریں لاتے تھے ہر کوئی اپنی کھجوروں میں سے جبکہ کھجوریں پکنے اور اتارنے کے قابل ہوتیں کچھ حصہ لے آتا دوسرا اپنی کھجوروں میں سے کچھ لے آتا یہاں تک کہ آنحضرت کے پاس ایک ڈھیر لگ جاتا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما (بچپن میں) کھیل رہے تھے ان کھجوروں کے ساتھ کہ ان میں سے ایک نے ایک دانہ اٹھا کر منہ میں ڈال دیا حضرت ﷺ نے ان کو دیکھا اور ان کے منہ سے کھجور نکال کر فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ آل صدقہ نہیں کھایا کرتے اور تجرید بخاری ج۱ص۱۵۷ میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کھجور نکالی اور کہا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اولاد محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے.... الخ

اس حدیث کے ذیل میں علامہ بدرالعینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں بحث کے بعد متعدد اقوال جمع فرماتے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ زکوٰۃ سادات کے جائز نہیں ہے۔

(۱۲) فیہ ان الصدقة لا تحل لآل محمدٍ وفی الذخیرة للقرافی ان الصدقة محرمة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماعاً و فی المغنی الظاھر ان الصدقة فرضھا و نفلھا کانت محرمة علی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ....

(عمدة القاری ج ۵ ص ۸۰ دار الفکر بیروت)

صحیح مسلم

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل فرمایا ہے

(۱) عن محمد وھو ابن زیاد سمع ابا ھریرة یقول اخذ الحسن بن علی تمرةً من تمر الصدقة فجعلھا فی فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بھا (مسلم ج ۱ ص ۳۴۳)

راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ ا[یک] مرتبہ حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور اپنے منہ میں ڈالی جناب نبی کریم صلی اللہ [علیہ وسلم نے] فوری ان سے فرمایا کہ اسے اپنے منہ سے باہر نکالو۔

(۲) عن ابی ھریرة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی لا نقلب الی اھلی فاجد التمرة ساقطة علی فراشی ثم ارفعھا لأکلھا ثم اخشیٰ ان تکون صدقةً فالقیھا (مسلم ج ۱ ص ۳۴۳)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ک جناب نبی کریم صلی اللہ ...

نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب میں اپنے گھر لوٹا تو دیکھا کہ ایک کھجور میرے بستر میں ہے میں اسے اٹھا کر کھانے لگا مگر اس خوف سے نہ کھا سکا کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو تو فوراً اگل دی۔

(۳) عن انس بن ملک ان النبی صلی الله علیه وسلم وجد تمرة فقال لولا ان تکون من الصدقة لاکلتها (مسلم ج ۱ص ۳۴۳)

حضرت انس ابن مالک ؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ایک کھجور پڑی دیکھی فرمایا کہ اگر یہ صدقہ کی نہ ہوتی تو میں اسے کھالیتا۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں لگاتار روایات نقل فرمائی ہیں کہ حضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک کھجور رکھی ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ اسے تناول فرمائیں لیکن اس ڈر سے نہیں کھائی کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

سنن ابی داؤد

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس باب میں احادیث جمع فرمائی ہیں باب قائم فرمایا کہ ”باب الصدقة علی بنی هاشم“ اور اس کے ذیل میں پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

عن ابن ابی رافع عن ابی رافع ان النبی ﷺ بعث رجلا علی الصدقة من بنی مخزوم فقال لابی رافع اصحبنی فانک تصیب منها قال حتی آتی النبی ﷺ فاساله فاتاه فسأله فقال مولی القوم من انفسهم

وانا لا تحل لنا الصدقة

(ابوداؤد ج ا ص ۲۴۴ باب الصدقۃ علیٰ بنی ھاشم میر محمد کتب خانہ)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم ق
کا ایک شخص زکوٰۃ کی وصولیابی کیلئے روانہ کیا اس نے حضرت ابورافع سے کہا تم میرے
ہمراہ رہو تمھیں بھی کچھ حصہ مل جائے گا انہوں نے کہا کہ میں پہلے پیغمبر ﷺ سے دریا
کرلوں انہوں نے آکر پیغمبر علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ
بھی قوم کا غلام انہیں میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

سنن نسائی

اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے نسائی شریف میں ایک روایت نقل فرما
ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت کے خاندان والوں میں سے چند افراد
صدقات میں سے کچھ حصہ لینے کی درخواست کی تو حضرت ﷺ نے اسے یہ کہہ کر منع
فرمادیا کہ یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل کی قبیل میں سے ہیں اور ان کا استعمال جس طرح
میرے لئے جائز نہیں اسی طرح آپ کے لئے بھی جائز نہیں۔

(۲) ان عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب اخبره
ان اباه ربيعة بن الحارث قال لعبد المطلب بن ربيعة بن الحارث
والفضل بن عباس بن عبدالمطلب ائتيا رسول الله ﷺ فقولا له
استعملنا يارسول الله على الصدقات فاتىٰ على بن ابى طالب ونحن

علی تلک الحال فقال لهما ان رسول الله ﷺ لا یستعمل منکم احداً علی الصدقة قال عبدالمطلب فانطلقت انا والفضل حتیٰ اتینا رسول الله ﷺ فقال لنا ان هذه الصدقة انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل محمد ولا لآل محمد ﷺ (سنن نسائی جلد ا ص ۲۸۱)

کہ حضرت ربیعہ بن الحارث رضی اللہ عنہ (جوایک صحابی ہیں) نے حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ (یہ بھی صحابی ہیں) فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ آنحضرت ﷺ کے پاس اور کہو کہ ہم کو صدقات پر عامل مقرر کردیں اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ تمہیں ہرگز آنحضرت ﷺ عامل نہیں مقرر کریں گے۔ خیر عبدالمطلب بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں اور فضل ابن عباس آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ صدقات لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے نہ تو یہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہیں اور نہ آپ کے اہل کے لئے ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ حلال نہیں۔

جامع ترمذی

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (جو آنحضرت ﷺ کے غلام تھے ،ان کا انتقال حضرت علی کی خلافت میں ہوا) سے روایت پیش کرتے ہیں جو کہ اس باب میں سب سے اہم ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے غلام کو بھی صدقات وزکوۃ کے استعمال سے منع فرمایا ہے

(۱) عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة فقال لابی رافع اصحبنی کیما تصیب منها فقال لاحتی اتی رسول اللہ ﷺ فاساله وانطلق الیٰ النبی ﷺ فساله فقال ان الصدقه لاتحل لنا وان موالی القوم من انفسهم قال وهذا حدیث حسن صحیح (جامع ترمذی جلد اص ۸۳)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کے ایک آدمی کو صدقات پر عامل بنایا انہوں نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو کہا آپ میرے ساتھ چلو تا کہ تمہیں بھی کچھ مل جائے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جب تک آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر پوچھ نہ لوں نہیں جاسکتا جب آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے صدقات جائز نہیں اور تم ہمارے غلام ہو تمہارے لئے بھی جائز نہیں کیونکہ (شریعت میں) غلام مالک کی قوم سے سمجھا جاتا ہے (یعنی بعض احکام میں جو حکم مالک کا ہوگا وہی غلام کا ہوگا مثلاً یہی مسئلہ کہ زکوٰۃ آقا کے لئے بھی جائز نہیں غلام کے لئے بھی ناجائز ہے)

اردو ترجمہ ترمذی جلد اص ۱۳۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کے لئے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام وہ قوم ہی کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے جب سادات کو صدقہ حلال نہیں ہے تو پھر ان کے غلاموں کے لئے بھی کسی قسم کا صدقہ حلال نہیں...الخ

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ جب بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ ﷺ اس کے بارے میں ضرور

...یافت فرماتے تھے، اگر وہ صدقہ کے قبیل میں سے ہوتی تھی تو آپ ﷺ اس سے پرہیز
...ماتے اور اگر وہ کسی کی جانب سے ہدیہ ہوتا تو اپ ﷺ اسے شوق سے تناول فرماتے تھے

(۲) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أتى بشئى سأل أصدقة
هى ام هدية فان قالوا صدقة لم ياكل وان قالوا هدية اكل

(جامع ترمذی جلد ا ص ۸۳)

جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی چیز لائی جاتی تو دریافت فرماتے کہ یہ
...دقہ ہے یا ہدیہ اگر صحابہ کہتے کہ صدقہ ہے تو تناول نہ فرماتے اور اگر وہ کہتے کہ ہدیہ ہے تو
...ل فرما لیتے۔

...یگر کتبِ احادیث

اس کے علاوہ بھی احادیث کی دیگر معتبرات میں اس مسئلہ کی مکمل طور پر وضاحت
...جود ہے جن میں سے چند مشہور کتب کے حوالہ جات ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

(ا) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان احادیثِ مبارکہ پر طویل
...ماث کے بعد اسی مؤقف کو ترجیح دی ہے کہ سادات کا زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

...الحديث يدل على حرمة الصدقة على النبى ﷺ اور حدیث اس بات کا تقاضہ
...رتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر ہر طرح کی خیرات استعمال کرنا منع ہے، اور آگے محمد ابن
...رک حنفیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں قال ميرک فيه دليل على ان الصدقة تحرم
...عليه وعلى اله سواء كان بسبب العمل او بسبب الفقر والمسكنة

وغيرهما وهذا هو الصحيح عندنا۔ محمد ابن میرک حنفیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث واِنّا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد میں دلیل ہے اس بات پر کہ صدقات وخیرات آپ علیہ السلام پر اور آپ کے آل پر حرام ہے خواہ مزدوری کی وجہ سے ہو یا فقر وفاقہ کی وجہ سے
(مرقاۃ المفاتیح ج۴ص۳۳۳ سے ۳۳۷)

(۲) عن ابن عباس ان عمر بن الخطاب قال للعباس وللفضل بن عباس اذكرا للنبى ﷺان يامر لكما من الصدقات وانى ساحضر لكما فذكر ذلك الفضل لرسول الله ﷺفقال: اصبروا على انفسكم يا بنى هاشم فانما الصدقات غسالات الناس
(معجم کبیر للطبرانی ج۱۲ص۲۳۵)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ دونوں پیغمبر علیہ السلام سے اس بات کا تذکرہ کریں کہ وہ آپ دونوں کو صدقات پر مامور فرمادیں، پس حضرت فضل نے اس بات کا تذکرہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے نفس پر صبر کرواے بنی ہاشم کیونکہ صدقات تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔

(۳) الحديث الاربعون: قال عليه السلام يا بنى هاشم ان الله تعالىٰ قد حرم عليكم غسالة الناس واوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس (نصب الرایہ ج۲ص۴۰۳ مصری)

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کرا

ہے لوگوں کا صدقہ جوکہ ان کے مال کا میل کچیل ہے اور اس کے عوض میں تمھیں مال غنیمت میں سے خمس عطا کیا۔

(۴) قالت عائشة قال رسول الله ﷺ انا اٰل محمد لانا كل الصدقة

(کتاب الردلابن ابی شیبہ ص ۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم آل محمد ہیں ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔

(۵) عن عطاء بن السائب قال حدثتني ام كلثوم ابنة علي قال اتيتها بصدقة كان امر بها قالت احذر شبابنا فان ميمون او مهران مولى النبي ﷺ اخبرني انه مر على النبي ﷺ فقال له يا ميمون او يا مهران انا اهل بيت نهينا عن الصدقة وان موالينا من انفسنا ولانأ كل الصدقة.

(i) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۸ حدیث ۱۶۳۹۹، مسند المدنیین

(ii) ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۴ (بتغیر یسیر)

(iii) مصنف عبد الرزاق جلد ۴ ص ۵۱

حضرت عطاء بن السائب کہتے ہیں کہ میں حضرت کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صدقات میں سے کوئی چیز لے گیا تو حضرت ام کلثوم نے رد کر دیا اور فرمایا کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے جس کا نام حضرت مہران رضی اللہ عنہ ہے نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام

انہیں میں سے ہوتا ہے۔

(٦) یہی روایت ان ہی الفاظ سے نصب الرایہ جلد ٢ ص ٤٠٥ اور درایہ ص ١٦٧ میں ہے

(٧) الضعفاء الکبیر ج ٢ ص ٢٤٠ میں ہے:

عن ابن عباس اتی فتیان من بنی الحارث بن عبدالمطلب رسول الله ﷺ فقالا استعملنا علی الصدقة فنصیب ما یصیب الناس فقال رسول الله ﷺ ان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لآل محمد .. الخ

کہ دونو جوان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمیں صدقات پر عامل بنادیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ صدقات ال محمد کے لئے حلال نہیں۔

امام نووی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں

(٨) دلیل علی انها محرمة سواء کانت بسبب العمل او بسبب الفقر والمسکنة و غیرها من الاسباب الثمانیة وهذا هو الصحیح عند اصحابنا .. الخ (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ١ ص ٣٤٤)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ زکوٰۃ بنو ہاشم پر حرام ہے عامل بن کر لے پھر اور فقیر ومسکین ہونے کے لحاظ سے لے پھر بھی یا وہ آٹھ اسباب جو مذکور ہوئے ان میں سے کوئی بھی سبب ہو بہر حال حرام ہے اور یہ ہی صحیح قول ہے

(٩) امام نووی ایک اور روایت کی شرح کرتے ہوئے زکوٰۃ اور نفلی صدقات دونوں کو ایک کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیه تحریم الصدقة علیه صلی الله علیه وسلم وانه لا فرق بین صدقة

الفرض و التطوع لقوله ﷺ الصدقة بالالف واللام و هی تعم النوعین ولم یقل الزکوٰة (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ا ص ۳۴۴)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(۱۰) المراد بالصدقة الزکوٰة وهی حرام عندنا علی بنی المطلب وقال مالک بنو هاشم فقط... الخ

(صحیح مسلم مع شرح نووی ج ا ص ۳۴۴)

صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے (نفلی نہیں) اور ہمارے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب دونوں پرحرام ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقط بنو ہاشم پرحرام سمجھتے ہیں

(۱۱) فقال رسول الله ﷺ انما بنو هاشم و بنو المطلب شئی واحد فصح انه لا یجوز ان یفرق بین حکمهم فی شیء اصلا لانهم شیء واحد بنص کلامه علیه الصلوٰة والسلام فصح انهم اٰل محمد واذا هم اٰل محمد فالصدقة علیهم حرام فیخرج بنو عبد شمس وبنو نوفل ابنی عبد مناف وسائر قریش عن هذین البطنین وبالله تعالیٰ التوفیق ولا یحل لِهذین البطنین صدقة فرض ولا تطوع اصلا لعموم قوله علیه الصلوٰة والسلام لا تحل الصدقة لمحمد ولا لاٰل محمد فسوی بین نفسه وبینهم واما مالا یقع علیه اسم صدقة مطلقة فهو حلال لهم کالهبة والعطیة والهدیة والنحل والحبس والصلة

والبر غیر ذالک.....الخ (محلی ابن حزم، کتاب الزکوٰۃ جلد۲ص۳۳)

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اوران دونوں کے لئے نہ تو فرضی صدقہ جائز ہے اور نہ نفلی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ محمد کے لئے حلال ہے نہ اہل محمد کے لئے۔ بہر حال ہبہ اور عطیہ اور فدیہ اور شکرانہ اور تحفہ اور صلہ اور پیش کش یہ سب جائز ہیں۔

(۱۲) معالم السنن میں علامہ الخطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اما النبی ﷺ فلا خلاف بین المسلمین ان الصدقة لاتحل له و کذلک بنو هاشم فی قول اکثر العلماء وقال الشافعی رحمه الله لاتحل الصدقة لبنی المطلب. (معالم السنن شرح ابی داوٗد جلد۲ص۷۱)

آنحضرت ﷺ پر صدقہ حلال نہیں اس میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہے بنو ہاشم پر حرمت کے قائل جمہور علماء ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بنو عبد المطلب پر بھی حرام کہتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔

(۱۳) قال ابویوسف رحمه الله او العباس انها (النفلية) تحرم علیهم کصدقة الفرض ....الخ (نیل الاوطار۔ ج۴ص۱۹۶)

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی صدقات بھی سادات پر حرام ہیں جیسے فرضی حرام ہیں۔ نیز یہ اختلاف بھی ہے کہ آیا بعض بنی ھاشم بعض کو دے سکتے ہیں یا خمس

ملنے کی وجہ سے غیر بنو ہاشم بھی بنو ہاشم کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(۱۴) نقل عن ابی یوسف ان التطوع یحرم علی بنی ہاشم فاذا کان التطوع حراما فالفرض اشد حرمة.

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۸۱ دار الفکر)

علامہ بدر العینی رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ صدقات نفلی بھی حرام ہیں اور جب نفلی حرام ہوئے تو فرض کا حرام ہونا تو اور بھی زیادہ واضح ہو گیا۔

واضح رہے کوئی بھی حدیث اس باب میں ایسی نہیں ہے جس سے اس بات کا ثبوت ہو رہا ہو کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ رہی بات خمس الخمس کی تو محقق ابن ہمام اس روایت کی صحت کا انکار کر چکے ہیں۔

مفسرین حضرات کی رائے

اس کے علاوہ دیگر معتبر تفاسیر میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا گیا ہے جس سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ہر طرح کے صدقات جناب نبی کریم ﷺ کی آل کے لئے منع ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

(۱) علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ ”انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین.... الخ“ کے تحت فرماتے ہیں کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ سید کا زکوٰۃ لینا تو دور کی بات ہے کسی سید کو عامل (وہ جو لوگوں کے لئے زکوٰۃ جمع کرتا ہے) مقرر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

ومن هنا قالوا لاتحل العمالة لهاشمي لشرفه وانما حلت للغني مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغني لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل كذا في البدائع والتحقيق ان في ذلک شبها بالاجرة وشبها بالصدقة فبالاعتبار الاول حلت للغني ولذا لايعطى لو اداها صاحب المال الى الامام وبالاعتبار الثاني لا تحل للهاشمي .

(روح المعانی ج ۱۰ص ۴۳۵ داراحیاء التراث)

ترجمہ : اسی لئے حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ سید کو عامل زکوۃ (جو آدمی سلطان الاسلام کی طرف سے زکوۃ اکٹھا کرنے پر مامور ہو) بننا جائز نہیں اور غنی کو جائز ہے اس لئے کہ اس نے آپ کو اس کام کیلئے فارغ کیا ہیا اور غنی بوقت ضرورت اس کو لینے سے انکار بھی نہیں کرے گا اور اس میں تحقیق یوں ہے کہ اس فعل کو مشابہت ہے من وجہ ساتھ اجرت کے تو اس وجہ سے غنی کے لئے جائز ہے اور مشابہت ہے من وجہ صدقہ سے تو ہاشمی پر حرام ہے ا۔ غایۃ میں تصریح کی ہے کہ عامل ہاشمی نہ ہو۔

(۲) امام ابوبکر جصاص رازی اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر میں اکابرینِ احناف کا قول ذکر کر کے طویل بحث کے بعد یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں جنابِ نبی کریم ﷺ کی آل پر صدقات جائز نہیں اور انہوں نے اس ضمن میں امام طحاوی کی ابحاث کا بھی جواب دیا ہے

قال اصحابنا من تحرم عليهم الصدقة منهم آل العباس وآل علي وآل جعفر وآل عقيل وولد الحارث بن عبدالمطلب جميعاً

وحكى الطحاوى عنهم وولد عبد المطلب ولم اجد ذلک عنهم رواية والذى تحرم عليهم من ذلک الصدقات المفروضة واما التطوع فلا باس به وذكر الطحاوى انه روى عن ابى حنيفة وليس بالمشهور ان فقراء بنى هاشم يدخلون فى اٰية الصدقات ذكره فى احكام القراٰن قال وقال ابو يوسف ومحمد لا يدخلون

قال ابو بكر المشهور عن اصحابنا جميعا من قدمناه ذكره من اٰل العباس واٰل على واٰل جعفر واٰل عقيل وولد الحارث بن عبد المطلب وان تحريم الصدقة عليهم خاص فى المفروض منه دون التطوع.

وروى ابن سماعة عن ابى يوسف ان الزكوٰة من بنى هاشم تحل لبنى هاشم ولا يحل ذلک من غير هم لهم وقال مالک لا تحل الزكوٰة لاٰل محمد والتطوع يحل .وقال الثورى لا تحل الصدقة لبنى هاشم ولم يذكر فرقا بين النفل والفرض وقال الشافعى تحرم صدقة الفرض على بنى هاشم وبنى عبد المطلب ويجوز صدقة التطوع على كل احد الا رسول الله ﷺ فانه كان لا يأ خذها

والدليل على ان الصدقة المفروضة محرمة على بنى هاشم حديث ابن عباس قال ما خصنارسول الله ﷺ بشىء دون الناس الا بثلاث اسباغ الوضوء وان لا ناكل الصدقة وان لا ننزى الحمير على الخيل وروى ان الحسن بن على اخذ تمرة من الصدقة فجعلها فى

فيه فاخرجها رسول الله ﷺ وقالانا آل محمد لا تحل لنا الصدقة .

عن انس ان النبی ﷺ وجد تمرة فقال لولا انی اخاف ان تكون صدقة لاكلتها وروى بهز بن حكيم عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ فی الابل السائمة من كل اربعين ابنة لبون من اعطاها مؤتجرا فله اجرها ومن منعها فانا آخذوها وشطر ماله لا يحل لآل محمد منها شیء وروی من وجوه كثيرة عن النبی ﷺ ان الصدقة لا تحل لآل محمد انما هی اوساخ الناس فثبت بهذه الاخبار تحريم الصدقات المفروضات عليهم. (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۶۹، ۱۷۰)

ترجمہ : ہمارے علماء کرام (احناف) نے کہا ہے کہ جن پر صدقات حرام ہیں وہ یہ ہیں اہل عباس رضی اللہ عنہ، اہل علی رضی اللہ عنہ، اہل جعفر رضی اللہ عنہ واہل حارث ابن عبد المطلب سب کے سب اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ فقراء سادات پر صدقات جائز ہیں لیکن روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مشہور ہے (مشہور روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی ہے کہ بنو ہاشم پر صدقات جائز نہیں اگرچہ فقیر ہوں وہ المفتیٰ بہ) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم پر زکوٰۃ جائز نہیں روایۃً واحدۃً ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے محمد بن سماعۃ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو ہاشم بعض کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں لیکن غیر بنی ہاشم کی زکوٰۃ ان کو روا نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اہل کے لئے صدقہ واجبہ جائز نہیں نفلی جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی بھی بنو ہاشم پر حرام ہے۔

ر اس بات کی دلیل کہ آنحضرت ﷺ کی آل پر صدقہ مفروضہ حرام ہے حضرت ابن عباس
ی اللہ عنہ کی حدیث (کسی نے سوال کیا کہ کیا آنحضرت ﷺ نے اہل بیت کو کوئی خاص
ت یا احکام کا حکم دیا جس طرح کہ شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا
ں بنایا) کہ ہمیں کوئی خاص حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ہم لوگوں کے صدقات نہ کھائیں۔ الحدیث
ر آنحضرت ﷺ کو ایک کھجور ملی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اٹھا
کھا لیتا۔ (نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور منہ میں ڈال لی
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لئے صدقہ جائز نہیں پھینک دو) تو ان احادیث سے
ت ہوا کہ صدقہ مفروضہ اہل النبی ﷺ کے لئے جائز نہیں۔

٣) حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ صحیح مسلم کی احادیث نقل فرمانے کے بعد ارشاد
ماتے ہیں

ولا یجوز ان یکونوا من اقرباء الرسول ﷺ الذین تحرم علیھم الصدقة لماثبت فی صحیح مسلم

(ابن کثیر جلد٢ ص ٣٧٢ سورۃ توبہ آیت ٦٠)

مہ : اور جائز نہیں کہ عاملین صدقات وہ آل جناب رسول اللہ ﷺ ہوں جن پر صدقہ
ام ہے جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔

٤) علامہ طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں امام مجاھد رحمۃ اللہ علیہ سے روایات نقل
ماتے ہیں جس میں واضح الفاظ میں صدقہ کے لینے کے بارے میں نہی موجود ہے :

عن مجاهد قال كان آل محمد ﷺ لا تحل لهم الصدقة فجعل لهم

خمس الخمس

عن مجاهد قال قد علم الله ان فی بنی هاشم الفقراء فجعل لهم الخمس مكان الصدقة

عن مجاهد قال هؤلاء قرابة رسول الله صلى لله عليه وسلم الذين لا تحل لهم الصدقة

(تفسیر طبری جلد ۱۰ ص ۵ مکتبہ دار المعرفت بیروت)

ترجمہ : امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی آل کے لئے صدقہ جائز تھا توان کی طیب خاطر کے لئے آنحضرت ﷺ نے خمس غنائم ان کو دلایا۔

(۵) ملا جیون تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں

لما كان فيها شبه الصدقة لا تاخدها عامل هاشمی تنزيها لقرابة رسول الله ﷺ عن شبهة الوسخ الى .... ان قال ولا يدفع الى بنی هاشم ولا الى مواليهم　　　(تفسیر احمدی ص ۳۰۵)

ترجمہ : جب کہ اس عمالہ میں شبہ ہے صدقہ کا تو سید عامل نہیں لے سکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی قرابت کو میل کچیل کی چیز سے بچانا ضروری ہے اور نہیں جائز کہ زکوۃ بنو ہاشم اور ان کے غلاموں کو دی جائے۔

فقہاءِ کرام کی رائے

۱) امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا یدفع الیٰ بنی ھاشم وھم آل علی وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب وموالیھم الخ. (قدوری ص۴۴، نور محمد)

زکوٰۃ بنو ہاشم کو نہیں دی جاسکتی (ناجائز ہے) اور وہ آل علی رضی اللہ عنہ اور آل رضی اللہ عنہ اور آل جعفر رضی اللہ عنہ اور اہل عقیل رضی اللہ عنہ اور اہل الحارث ہیں اور کے غلاموں کو بھی نہیں دی جاسکتی۔

۲) ہدایہ میں ہے

لا تدفع الی بنی ھاشم لقوله علیه السلام یا بنی ھاشم ان الله تعالیٰ حرم علیکم غسالة الناس واوساخھم وعوضکم منھا بخمس الخمس.

(ہدایہ جلد ا ص ۱۸۸، باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز)

زکوٰۃ بنو ہاشم کو جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا میل کچیل تم پر حرام کردیا ہے خلاف صدقہ نفلی کے کہ وہ جائز ہے۔

۳) ہدایہ کی شہرۂ آفاق شرح فتح القدیر میں، جواز کے لئے جو خمس الخمس کو پیش کیا جاتا ہے اس کے بارے میں محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو غریب کہہ کر اس کی

صحت کا انکار کیا ہے اور اس کے مقابلے میں جناب نبی کریم ﷺ کے غلام ابو رافع " کی روایت پیش فرما کر جواز کا انکار کیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر)

(۴) اسی طرح اس بحث کے ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا جمیل احمد صاحب اپنی مشہور شرح اشرف الہدایہ میں طویل بحث فرمانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سادات کے لئے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں۔

(اشرف الہدایہ جزءاول، ج ۳ ص ۱۴۹)

(۵) کنز الدقائق علامہ محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وبنی ھاشم وموالیھم الخ (کنز الدقائق ص ۶۵ میر محمد کتب خانہ)

جائز نہیں کہ صدقہ بنو ہاشم اور ان کے غلاموں کو دیا جائے۔

(۶) شرح وقایہ میں ہے۔

وبنی ھاشم وھم اٰل علیؓ وعباس وجعفر وعقیل والحارث بن عبد المطلب وموالیھم ای معتقی ھؤلاء

(شرح وقایہ جلد ا ص ۲۹۹ مکتبہ رشیدیہ)

بنو ہاشم کو زکوٰۃ جائز نہیں اور وہ اہل علی، عباس، جعفر، عقیل، حارث ابن عبد المطلب رضی اللہ عنھم اور ان سب کے آزاد کردہ غلام ہیں الخ۔

(۷) فتاوٰی شامی میں ہے کہ

ولا الیٰ نبی ھاشم وموالیھم وجازت التطوعات من الصدقات

والاوقاف لهم (تنوير الابصار مع در مختار ج ۳ص ۳۵۲ مکتبہ رشیدیہ)

" قيد بها ليخرج بقية الواجبات كالنذر والعشر والكفارات وجزاء الصيد الا خمس الركاز فانه يجوز صرفه اليهم "

(ردالمحتار على الدرالمختار ج ۳ص ۳۵۲ مکتبہ رشیدیہ)

اور بنی ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کو زکوات نہیں دی جائے گی اور نفلی صدقات دئے جاسکتے ہیں، نفلی صدقات کی تصریح اس لئے کی گئی تا کہ واجبات مستثنیٰ ہوجائیں جیسے منت کی رقم اور عشر، کفارات، شکار کا دم البتہ معدنیات میں سے خمس دیا جاسکتا ہے۔

(۸) فتاویٰ عالمگیری جو کہ چھ سو فقہاءِ کرام کی مرتب کردہ ہے اس کا قول فیصل ملاحظہ فرمائیں

ولا يدفع الى بنى هاشم وهم ال على وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحرث بن عبد المطلب (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ص ۱۸۹ رشیدیہ)

(۹) کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں علامہ سراج الدین ابن عمر ابن ابراہیم ابن نجیم نے بھی طویل بحث کے بعد یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

(النہر الفائق ج ۱ص ۴۶۵ قدیمی کتب خانہ)

(۱۰) اسی طرح ان کے بھائی علامہ زین الدین ابن نجیم اپنی مشہور شرح البحر الرائق میں فرماتے ہیں

"و اطلق الحكم فى بنى هاشم ولم يقيد بزمان ولا بشخص للاشارة الى رد رواية ابى عصمة..... الخ"۔

(البحر الرائق ج ۲ص ۴۳۱ باب المصرف کتاب الزکوٰۃ)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم مطلقا ہے کسی زمانہ یا فرد کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا، اور آگے فرماتے ہیں ہاشمی بھی ہاشمی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(۱۱) اسی طرح تاتارخانیہ میں ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۳ص ۲۱۳ مکتبہ حنفیہ

(۱۲) اسی طرح ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع ج ۲ص ۴۴ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ

والصدقة مطهرة لصاحبها فتمكن الخبث في المال فلا يباح للهاشمي لشرفه صيانة له عن تناول الخبث تعظيما لرسول الله ﷺ او نقول للعمالة شبهة الصدقة وانها من اوساخ الناس فيجب صيانة الهاشمي عن ذلك كرامة له وتعظيما للرسول ﷺ

اور صدقہ پاک کر دیتا ہے ادائیگی کرنے والے کو تو اس کے مال میں یقینی ٹھہرا جو کہ ایک ہاشمی کیلئے مباح نہیں ہے اس کی شرف و وقار کی وجہ سے اس کو گندگی کھانے سے بچانا ضروری ہے جناب نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں۔ اور دوسرا یہ کہ عمالین صدقات بھی اگر ہاشمی ہوں تو صدقہ میں سے نہیں کھا سکتے اس لئے کہ وہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے پس واجب ہے ہے ہاشمی کو اس میل کچیل سے بچانا بوجہ ان کی شرافت کے اور تعظیم رسول کے۔

(۱۳) اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ج ۱ص ۳۳۱ باب فی بیان احکام المصرف

(۱۴) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا نمائندہ فتاویٰ، فتاویٰ حقانیہ میں ان کے مفتی حضرات ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے''

(فتاویٰ حقانیہ ج ۴ص ۸۲)

(۱۵) ردالمحتار یعنی فتاویٰ شامی اوراسی طرح احکام القرآن میں ہے۔

فلا تحل للعامل الهاشمی تنزیها لقرابة النبی ﷺ عن شبهة الوسخ وتحل للغنی لانه لا یوازی الهاشمی فی استحقاق الکرامة فلا تعتبر الشبهة فی حقه(زیلعی) علیٰ ان منع العامل الهاشمی من الاخذ صریح فی السنة کما بسطه فی الفتح.

(ردالمحتار (فتاویٰ شام) جلد۳ص ۲۸۷،احکام القرآن جلد۳ص ۱۳۳، **بذل المجهود** حاشیہ نمبر۴ ج ۳ص ۴۹)

زکوٰۃ سید عامل کو جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی قرابت کو منزہ رکھنا منظور ہے (بحکم حدیث) میل کچیل کی مشابہت سے بھی اور غنی کے لئے جائز ہے کیونکہ غنی ہاشمی کے درجہ شرافت کو نہیں پہنچ سکتا تو اس کے حق میں شبہ کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ زیلعی میں ہے اس کے علاوہ ہاشمی پر حرمت تو صریح حدیث سے ثابت ہے جس کی پوری شرح فتح القدیر میں ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فرماتے ہیں

(۱۶) **وفی المغنی عن عائشة رضی اللہ عنها قالت انا اٰل محمد لاتحل لنا الصدقة قال فهذا یدل علی تحریمها علیهن الخ**

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق مصری جلد۲ص ۲۴۷)

مغنی (ابن قدامہ رحمہ اللہ) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم آل محمد ﷺ ہیں ہمارے لئے صدقات حلال نہیں۔

اس حدیث سے ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین پر بھی حرمت ثابت

ہوتی ہے علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی عبارات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مکاتب ہاشمی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

(۱۷) لانہ اذا لم یجز دفعھا لمعتق الھاشمی الذی صار حرا یدا ورقبۃ فمکاتبہ الذی بقی مملوکا لہ رقبۃ بالاولیٰ و فی البحر عن المحیط وقد قالوا انہ لایجوز لمکاتب ھاشمی لان الملک یقع للمولیٰ من وجہ و الشبھۃ ملحقۃ بالحقیقۃ فی حقھم

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۲۷ رشیدیہ)

اس لئے کہ جب ہاشمی کے آزاد کردہ غلام کو دینا جائز نہیں جب کہ وہ مال ونفس کا مالک بھی خود ہوگیا ہو تو وہ مکاتب جس کی گردن مالک کے قبضہ میں باقی ہے بطریق اولیٰ اس پر نا جائز ہوگی۔ محیط سے بحر میں نقل کیا ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ہاشمی کے مکاتب کو جائز نہیں تو مقروض کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ مدیون ومقروض ہاشمی نہ ہو (مقروض ہاشمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے)

(i) جو روایت ابو عصمہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جواز کی نقل کی ہے وہ مردود ہے اور قابل اخذ نہیں یدل علیہ قولہ للا شارۃ الی ردہ الخ

(ii) نیز یہ روایت کہ بعض بنو ہاشم بعض کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں مردود ہے

یدل علیہ قول بان الھاشمی یجوز لہ الخ

(iii) مولیٰ ہاشمی کے لئے بھی زکوٰۃ جائز نہیں

یدل علیہ قولہ وقید بمولیٰ الھاشمی الخ

اس سلسلے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو حدیث مسلم جلد ا ص ۳۴۴، نصب الرائی جلد ۲ ص ۴۰۲ اور درایہ ص ۱۶۷ وغیرہ کی روایت جس میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اپنی شادی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارے پاس شادی کے لئے خرچہ نہیں ہے ہمیں بھی صدقات پر عامل مقرر کر دیں تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے کچھ رقم جمع کر سکیں اور ہمیں آسانی ہو جائے۔ اس کے جواب میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"ان الصدقات لاینبغی لاٰل محمد انما ھی اوساخ الناس"

کہ صدقہ اوساخ الناس ہے لوگوں کا میل کچیل ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ آل محمد اسے استعمال کریں اور پھر فرمایا کہ حضرت محمیۃ بن جزء رضی اللہ عنہ جو کہ خمس پر مقرر تھے ان کو بلوایا اور ارشاد فرمایا کہ "اصدق عنھما من الخمس کذا و کذا" الخ کہ اے محمیۃ ان کو خمس میں سے اتنا اتنا مال دے دو کہ وہ (مہر وغیرہ ادا کر سکیں) او کما قال محصلہ

اس روایت سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید یہاں خمس ان کو بطور عوض عن الصدقہ دیا گیا تھا اس کا جواب میں امام نووی کے الفاظ نقل کرنا زیادہ مناسب رہیگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

یتحمل ان یرید من سھم ذوی القربیٰ من الخمس لانھما من ذوی

القربیٰ ویحتمل ان یرید من سهم النبی ﷺ من الخمس
(صحیح مسلم مع شرح نووی ج۱ص۳۴۴)

اس جگہ دو احتمالات ہیں ایک تو یہ کہ ممکن ہے کہ یہ وہ حصہ ہو جو کہ خمس میں سے ذوی القربیٰ کو دیا جاتا تھا کیونکہ یہ دونوں حضرات ذوی القربیٰ میں سے تھے اور دوسرا یہ کہ یہ وہ حصہ ہو جو آنحضرت ﷺ کو خمس میں سے ملتا تھا۔

اوپر ذکر کی گئی روایت میں فقط اتنا ہی مذکور ہے کہ ان دونوں حضرات کو خمس میں سے کچھ حصہ دیا گیا تھا اس میں عوض عن الصدقۃ کا کوئی تذکرہ نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کے سلسلے میں علماءِ دیوبند کی رائے

فقیہ الہند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں کہ سید کو زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۴۰ دارالاشاعت)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ سادات کے لئے صدقات کا لینا جائز نہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے علامہ شوکانی کا ایک قول بھی نقل فرمایا ہے یہ بات واضح ہے کہ سادات پر ہر طرح کے صدقات حرام ہیں

''قال الشوكانی واعلم ان ظاهر قوله لا تحل لنا الصدقة عدم حل صدقة الفرض والتطوع''

(بذل المجهود ج ۳ ص ۴۹ معہد الخلیل الاسلامی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) بہشتی زیور میں حکیم الامت رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ سیدوں کو اور علویوں کو اسی طرح جو حضرت عباس یا حضرت جعفر یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہم یا حارث بن عبد المطلب کی اولاد ہو زکوۃ کا پیسہ دینا درست نہیں اسی طرح جو صدقہ شریعت سے واجب ہو اس کا دینا بھی درست نہیں جیسے نذر، کفارہ، عشر اور صدقۃ الفطر اور اس کے سوا اور کسی صدقہ خیرات کا دینا درست ہے۔ (بہشتی زیور باب ۲۸ ص ۳۲۶ مجلس نشریات اسلام)

اسی طرح امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں خواہ دینے والا بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸ مکتبہ دار العلوم کراچی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ طویل بحث کے بعد محقق ابن الہمام کے قول جو کہ صدقاتِ نافلہ اور فرضیہ دونوں کی حرمت کا ہے، کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ''قول محقق، علامہ ابن ہمام کا ہے''۔ (تقریر ترمذی المسمیٰ بہ دروس مدنیہ جلد دوم ص ۲۴۶، فتاویٰ شیخ الاسلام ص ۶۰ طبع المیزان)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۵) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کفایت المفتی میں سوال کے

جواب میں فرماتے ہیں

راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینی جائز نہیں ابو عصمہ کی روایت جوانہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے وہ مفتی بہ نہیں ہے پس سید کو زکوۃ نہ دینی چاہئے، اگر پہلے دی جا چکی ہے اور اتنی وسعت ہے کہ دوبارہ دے دے تو دیدے ورنہ کوئی حرج نہیں۔ وکیل نے اگر دی ہے تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہے۔

(کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۷۳ دارالاشاعت)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(۶) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنی مشہورِ زمانہ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم جلد ۶ ص ۱۶۳۔۱۶۴ میں رقمطراز ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ مراد اہل سے (جن پر صدقۃ مفروضہ حرام ہے) بنو ہاشم ہی ہیں اور امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں ہمیں کسی کا اختلاف معلوم نہیں کہ صدقہ مفروضہ بنو ہاشم کے لئے حرام ہے اور اسی طرح اجماع نقل کیا ہے ابن رسلان رحمہ اللہ نے بھی الخ۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۷) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن میں بھی اسے ناجائز فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۳۹)

اس کے علاوہ حضرت والا کا فتاویٰ امداد المفتین المعروف فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

میں بھی اس مسئلہ کے ضمن میں سادات کو زکوۃ دینا ناجائز لکھا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۱۴۶ ادار الاشاعت)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۸) بذل المجھود کے حاشیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

"قلت ويشكل عليه ان العامل يأخذ عمالة لا من طريق الزكاة كما تقدم، ولذا يأخذ ولو كان غنيا فلم منع الهاشمي ؟ واجاب عنه شارح الاحياء بان فيه شبهة الصدقة فلا يأخذها العامل الهاشمي تنزيها لقرابة صلى الله عليه وسلم عن شبهة الوسخ"

(بذل المجهود حاشیہ نمبر ۴ ج ۳ ص ۴۹)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت والا نے امداد الاحکام میں اس مسئلہ پر ایک مستقل مقالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام القول الخاتم فی حرمۃ الزکوۃ علیٰ بنی ہاشم یا الاحتیاط اللازم فی تصدق علیٰ بنی ہاشم جو کہ اس مسئلہ میں بہت اہم ہے اور جمیع دلائل اور تحقیقات پر مشتمل ہے۔

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۵۰)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۹) حضرت والا نے اپنے مشہورِ زمانہ فتاویٰ محمودیہ میں مسلسل تین چار سوالوں کے

جوابات دیئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنی چاہئے کیونکہ زکوٰۃ تو لوگوں کا میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے ارفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے،

(فتاویٰ محمودیہ ج ۹ ص ۵۵۱ سے ۵۵۷ جامعہ فاروقیہ کراچی)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ دار العلوم دیوبند (مکمل و مدلل) میں بھی سادات کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز لکھا ہے۔ (ج ٦ ص ۲۱۲ مکتبہ حقانیہ ملتان)

محمود الملت والدین حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰) حضرت مفتی صاحب سورۂ انفال کی آیت واعلموا انما غنمتم من شیء الخ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہاں یہ مسئلہ بھی قابل وضاحت ہے کہ آج کل خالص شرعی جہاد تقریباً متروک ہو چکا ہے اور سیدوں کو خمس یا خمس الخمس نہیں ملتا تو کیا ان کو زکوٰۃ دینی چاہیے، لیکن یہ خیال ہی غلط ہے۔ اگر حلت زکوٰۃ کی علت خمس کا ملنا ہوتا تو پھر فقراء اور مساکین کے لئے زکوٰۃ کیوں جائز اور حلال ہے؟ جبکہ وہاں خمس وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سیدوں کے لئے حرمت زکوٰۃ کی علت دست یابی خمس نہیں ہے بلکہ شرافت نسبی ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات اوساخ الناس ہیں اور محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ سید علماء اس معاملے میں کمزور موقف پیش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ علامہ

اور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی کمزور موقف پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سید کے لئے حلت زکوٰۃ کا بالاطلاق فتویٰ نہیں دیا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ محتاج ہو اور کوئی اسے زکوٰۃ دے تو یہ اس کے سامنے اپنے سید ہونے کو بیان نہ کرے، بلکہ زکوٰۃ وصول کر لے، کیونکہ ایسر البلیتین ہے اور زکوٰۃ کی وصولی اسھل من السوال ہے، لہٰذا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اعطاء زکوٰۃ کا نہیں اخذ زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے، لیکن صحیح مذہب کے مطابق سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے"۔ (تفسیر محمود ج ۲ ص ۱۳۴ جمعیۃ پبلیکیشنز)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیا اہل محلہ میں اتنی مروت بھی نہیں کہ غیر زکوٰۃ سے ان کی حاجت پوری کر دیں......"۔

(احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۸۹ ایچ ایم سعید)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲) حضرت والا نے بھی اپنے مشہور فتاویٰ رحیمیہ میں بھی اسی قول کو ترجیح کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۸۲)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳) حضرت والا نے اپنی مشہور کتاب آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مفصل کلام

کے بعد ہر طرح کے صدقات کا سادات کے لئے نا جائز ہونا ہی نقل فرمایا ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۳ ص ۴۴۵)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم العالیہ

(۱۴) حضرت والا نے اپنی دو تصانیف میں زکوٰۃ الی السادات کو نا جائز قرار دیا ہے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

(درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۷۹، فتاویٰ عثمانی ج ۲ ص ۱۳۸ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ

(۱۵) دور حاضر کے بڑے عالم، امام اہل سنت محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام "الـكـلام الحاوی فی حل عبارة الطحاوی" ہے۔

آخر میں ہم خلاصہً بحث پیش کرتے ہیں اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "عبارت جو کہ اصل متنازع فیہ ہے نقل کرتے ہیں اور اپنی جانب سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے حضرت والا کا جامع اور مدلل تبصرہ ختامہٗ مسک کے طور پر بعینہٖ ان کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"وقد حدثنی سلیمان ابن شعیب عن ابیه عن ابی یوسف عن ابی حنیفة فی ذالک مثل قول ابی یوسف فبھٰذا ناخذ انتھیٰ

اس عبارت کا ترجمہ راقم از خود نہیں کرتا بلکہ ایک بہت بڑے ذمہ دار عالم کا ترجمہ

ہو انہوں نے طحاوی کا ترجمہ کیا ہے اور لاہور میں چھپ چکا ہے نقل کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ترجمہ اردو طحاوی شریف جلد ۲ ص ۱۴ امیں فرماتے ہیں لیکن چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ حدیث بیان کی مجھ سے سلیمان بن شعیب نے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے وہ امام ابی یوسف سے وہ ابوحنیفہ سے ابو یوسف کے قول کے موافق لہٰذا ہم اسی قول کو اخذ کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اب جائے غور یہ امر ہے کہ " فبھذا ناخذ "کس قول پر متفرع ہے؟ بالکل ظاہر بات ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ تفریع حرف 'ف' کے ساتھ **وقد حدثنی سلیمان** الخ کے بعد بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں " **فبھذا ناخذ** " اور وہ اس روایت کو اخذ کرتے ہیں جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے عین مطابق ہے اور وہ تحریم کا قول ہے۔ ہم اس کے حل کے لئے ایک اور عبارت پیش کرتے ہیں جو اس کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ **فتح الملھم** میں ارشاد فرماتے ہیں امام طحاوی کے اس قول کے بعد

فبھٰذا ناخذ وھٰذا صریح فی ان الطحاوی ما اختار روایۃ الحل عن ابی حنیفۃؒ بل اخذ بالروایۃ التی واقفت قول ابی یوسفؒ وھی ظاھر الروایۃ التی ذکرھا اولا من استواء حکم التحریم فی الفریضۃ والتطوع انتھیٰ۔

ترجمہ: امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ قول (**فبھذا ناخذ**) صریح ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ

علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو جواز کی روایت ہے وہ نہیں اختیار کی بلکہ وہ روایت اختیار کی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (اور امام محمدؒ) کے قول کے موافق ہے اور وہ ظاہر روایت ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے بیان کیا ہے کہ صدقات واجبہ ونفلیہ سب سادات پر حرام ہیں۔

بالکل واضح ہے کہ ’’فبھذا ناخذ‘‘ اس روایت کے ساتھ ہے جو امام ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے موافق ہے اور حرمت صدقات کی روایت ہے۔

سبب غلطی

چونکہ ’’فبھذا ناخذ‘‘ کا جملہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت کو پیش کرنے کے بعد اور قد حدثنی سلیمان بن شعیب الخ سے اس غیر مشہور روایت کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے اس لئے بعض حضرات کو یہ غلطی ہوئی کہ یہ ’’فبھذا ناخذ‘‘ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت (جو حلت صدقات کی ہے) پر تفریع ہے حالانکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ قد حدثنی الخ سے اس غیر مشہور روایت کی تردید کر کے روایت حرمت کو اخذ کرتے ہیں۔ اسی لئے امام ابوبکر الجصاص الرازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۳۱ میں اور علامہ بدر الدین العینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۳۴ میں فرماتے ہیں۔

قال الطحاوی ھذا الروایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لیست بمشھور الخ

کہ جواز کی روایت امام اعظم سے غیر مشہور ہے۔

اس سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ امام ابوبکر الجصاص اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ جو علم کے پہاڑ ہیں وہ دونوں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ نقل کرتے ہیں کہ جواز کی روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مشہور ہے۔ غلطی کرنے والے حضرات نے حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر بالکل غور نہیں کیا جو انہوں نے وقد حدثنی سلیمان بن شعیب الخ سے باسند بیان کر کے امام صاحب سے جواز کی روایت کو رد کر کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت لی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اور وہ عدم جواز کی ہے۔ اگر غور کرتے تو قطعاً غلطی واقع نہ ہوتی اس لئے جو ذمہ دار محدث وفقیہ ہیں مثلاً امام ابوبکر جصاص، علامہ عینی، حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سب اس سے یہی سمجھے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حرمت کے قول کو اخذ کرتے ہیں وہو الحق۔ اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ ہم اس پر زیادہ روشنی ڈالیں مگر زیادہ اطمینان وایقان کے لئے ہم اس کی دوبارہ تشریح کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ باب قائم کرتے ہیں باب الصدقات علی بنی ہاشم اور بہت سی احادیث پیش کرنے کے بعد ان کو متواتر اور مرفوع کہتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ منسوخ بھی نہیں اور ان سے متعارض روایت بھی کوئی موجود نہیں۔

(۲) محدثانہ پیرایہ میں بحث کر کے پھر اپنی عادت کے موافق نظر (دلیل فقہی) بیان کر کے فرماتے ہیں یہی ہے قول ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم کا۔

(۳) پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت نقل کر کے اپنی طرف سے اس کی دلیل پیش کرتے ہیں اور پھر وقد حدثنی سلیمان بن شعیب.. الخ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ کا وہ قول بالسند پیش کرتے ہیں جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ (اور محمدؒ) کے قول کے موافق ہے (اور غیر مشہور روایت کی تردید کر کے) ''فبھذا ناخذ'' فرماتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا تصریحات کے بعد غلط فہمی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ پہلے وہ حرمت صدقات بر بنی ہاشم پر حدیث بلکہ احادیث مرفوعہ متواترہ غیر منسوخہ واا متعارضہ بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد دلیل عقلی پیش کرتے ہیں اور اسی کو حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا قول و مذہب بتلاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مشہور روایت کی تردید کر کے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ وہ قول جو امام ابوحنیفہ و ابو یوسف (ومحمد) رحمۃ اللہ علیہم کا متفق ہے اس کو اخذ کرتے ہیں عجیب معاملہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تو غیر مشہور قول کی تردید کر کے مشہور قول پر تفریع بٹھاتے ہیں مگر وہ ان حضرات کے یہاں جواز کی دلیل بن جاتی ہے۔

(۴) امام طحاوی رحمہ اللہ اس کے بعد جلد اص ۳۰۱ میں فرماتے ہیں

فان قیل افتکرھھا علی موالی بنی ھاشم قیل لہ نعم لحدیث ابی رافع ... الخ

اگر کوئی کہے کہ کیا بنی ہاشم کے غلاموں پر بھی تم صدقات کو مکروہ کہتے ہو تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ یہاں مکروہ (تحریمی) ہیں کیونکہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث اس میں موجود ہے (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)۔

(وکذا فی احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۳)

یک طرفہ تماشا ہے ان حضرات کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ

ملیہ جواز کے قائل ہیں یعنی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اصول یعنی سادات پر تو صدقات کو جائز سمجھتے ہیں اور فروع یعنی ان کے غلاموں پر صدقات کو مکروہ وحرام قرار دیتے ہیں فروع پر تو ں لئے صدقات حرام تھے کہ ان کے اصول پر حرام تھے عجیب تماشا ہے کہ اصول پر حلال ور فروع پر حرام۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

(۵) طحاوی کے سب باب کو اول سے آخر تک بغور مطالعہ کریں کہیں صراحۃً یا کنایۃً یک بھی ایسی جزئی نظر نہ آئے گی جس سے یہ سمجھا جائے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل یا مائل الی الجواز ہیں یہ ان بعض حضرات کی بھیڑ چال تھی **سامحهم الله تعالىٰ** **عموم فضله** کہ ایک کو غلطی ہوئی تو پھر دوسرے بزرگوں نے اس کو نقل کرنا شروع کر دیا ور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ”**فبهذا نأخذ**“ کو محرف کر کے بالجواز ناخذ کر دیا جس سے مطلب کیا سے کیا ہو گیا۔

فرحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة الى يوم القيمة آمين“

(الکلام الحاوی ص ۱۰۳ تا ۱۰۶)

ایک شبہ اور اس کا حل

”بعض جاہل لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب خمس بھی نہیں ملتا اور صدقات واجبہ بھی سادات کے لئے حرام ہو گئے تو وہ غریب کیا کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ کیا سادات حرام کھانے پر ہی راضی ہیں آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں ”**لا تحل لمحمد**

ولا لآل محمد" کہ صدقات نہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہیں اور نہ آل محمد کے لئے۔ تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تو یہ فرمائیں کہ صدقات میری اہل پر حرام اور اہل اور ان کے ہمدرد وکیل یہ کہیں کہ حلال ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو منع فرمائیں اور یہ کہیں کہ ہم تو نہیں رکتے آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ یہ لوگوں کی میل وکچیل ہے اور اہل اور ان کے وکیل کہیں کہ حلال اور طیب ہے آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ بوجہ شرافت وکرامت کے میری اہل پر صدقات حرام ہیں مگر اہل اور ان کے وکیل کہیں کہ جس شرافت کی وجہ سے ہمارا رزق بند ہو وہ شرافت وکرامت ہی درکار نہیں۔ آنحضرت ﷺ تو فرمائیں کہ میں اپنی اہل کو تمام امت پر فضیلت دیتا ہوں مگر وہ کہیں کہ ہم تو ضرور غسالۃ ایدی الناس (لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل) ہی کھائیں گے،

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہماری حضرات سادات سے دو ہی اپلیں ہیں جو بھی آسان نظر آئے قبول کرلیں

من نہ گویم کہ این مکن آن کن
مصلحت بین و کار آسان کن

(۱) یا تو سید ہونے کا دعوئی ہی نہ کریں کیونکہ عجم میں نسب خلط ہونے کی وجہ سے صحیح نسب اکثر قوموں کے باقی ہی نہیں رہے۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ یوں سمجھیں کہ جو سید ہونے کا دعوئی کرتے ہیں ان میں دس فیصدی بمشکل اصلی وصحیح سید نکلیں گے۔ باقی سب ہم پانچ سوار دہلی سے آئے ہیں کا مصداق ہیں۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کوئی شخص کہتا ہے میں عباسی

ں کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ میں صدیقی ہوں کوئی کہتا ہے میں فاروقی ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں انی ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں علوی ہوں کیوں صاحب ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ صحابی تھے اور کیا یزید کی اولاد دنیا سے بالکل نیست ونابود ہوگئی ہے یا اس کی اولاد میں سے کوئی ی مسلمان باقی نہیں رہا۔ کیا آپ نے کوئی ابولہبی ابوجہلی یا یزیدی بھی دیکھا یا سنا ہے میں تقریباً تیس سال کی عمر میں کوئی دیکھا نہ سنا جو یہ کہے کہ میں ابوجہلی یا ابولہبی یا یزیدی ہوں یہ سب چیزیں تصنع پر دال نہیں میری اس تحریر سے کوئی صاحب غلط نہ سمجھیں کہ شاید میں حضرات سے دشمنی کرتا ہوں ان کے وجود کا قائل نہیں ہوں میں ان بزرگوں کا دلی معتقد ں اور ان میں سے باایمان باعمل واصحاب علم حضرات کا جوتا اٹھانا بھی اپنے لئے فخر مجھتا ہوں اور دس سے بیس فیصدی ان کے وجود کا بھی قائل ہوں مگر نہ اتنی مقدار میں کہ یصد ہی تسلیم کر لوں۔

اللهم احبهم الیّ برحمتک آمین ثم آمین

(۲) دوسری اپیل یہ ہے کہ اگر ضرور اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم سید ہیں تو کم از کم آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی اتباع کریں اور آنحضرت ﷺ جس چیز کو آپ کے لئے حرام ماتے ہیں اسے حرام سمجھیں اور جائز طرق سے کما کر کھائیں"۔

(الکلام الحاوی ص ۱۳۱ تا ۱۳۳)

ملک بھر کے مدارس کے اس سلسلے میں فتاویٰ
ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۵۳

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اکرام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال معہ مفتی بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

الجواب باسمہ تعالیٰ

سب سے پہلی بات تو یہ سمجھو کہ موجودہ دور میں سادات کا تعین ذرا مشکل ہے،
ہر قوم [illegible] ہر شخص بنا ہوا سید ہے۔ گویا نسلی سید ہے
دنیا میں سیدوں کا میلہ لگا ہوا ہے جس کو دیکھو سید بنا ہوا ہے
جب ہوا اور واقعی سید ہو، تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔
پھر سادات مسکین زکوٰۃ کے مستحق [illegible] وجود [illegible]
[illegible] جو ہر دور میں موجود ہیں [illegible] واللہ اعلم

کتبہ

[illegible]
۱۷/۹/۱۴۰۶ھ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اس بارے میں کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں
تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہ احناف ان کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت مع اسم مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں سادات (یعنی آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بن عبدالمطلب) کو زکوٰۃ دینا
جائز نہیں ہے۔ اس کی حرمت صریح حدیث نبوی سے ثابت ہے۔

مسلم شریف ص۳۴۴ ج۱: عن محمد بن زیاد سمع ابا ہریرۃ یقول اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلہا فی فیہ
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بہا اما علمت انا لا ناکل الصدقۃ

مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱: عن عبدالمطلب بن ربیعۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان ہذہ الصدقات انما ہی اوساخ الناس وانہا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم. رواہ مسلم

ردالمحتار علی الدر المختار المعروف بالشامی ص۳۵۰ ج۲: (ولا الی بنی ہاشم) الا من ابطل النص قرابتہ وہم بنو لہب
فتحل لمن اسلم منہم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع (قولہ بنی ہاشم) اعلم ان
عبد مناف وہو الاب الرابع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعقب اربعۃ وہم ہاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم ہاشم
اعقب اربعۃ انقطع نسل الکل الا عبدالمطلب فانہ اعقب اثنی عشر تصرف الزکوٰۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین
فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل قہستانی اھ

والعالمگیریۃ ص۱۸۹ ج۱: ولا یدفع الی بنی ہاشم وہم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الہدایۃ

وفی حاشیۃ الطحطاوی ص۳۹۳: ولا الی بنی ہاشم الا من ابطل النص قرابتہ وہم بنو ابی لہب فتحل لمن اسلم منہم
وفی البدائع الصنائع ص۴۹ ج۲: ومنہا ان لا یکون من بنی ہاشم لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یا معشر بنی ہاشم

إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس [illegible] قال لا تحل الصدقة لمحمد ولا لآل محمد الخ

تبيين الحقائق ص ٣٠٣/١ (وهاشمي) أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله عليه الصلاة والسلام إن هذه الصدقات (الخ) أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلى الله عليه وسلم

مراقي الفلاح ص ٤٣٤/١ . ولا يجوز دفعها لبني هاشم (قوله بني هاشم) أطلق المنع كل الأزمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض

البحر الرائق ص ٢٤٥/٢ (قوله وبني هاشم ومواليهم) أي لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاري نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة الخ

هداية ص ٢٠٦/١ ولا تدفع إلى بني هاشم لقوله عليه السلام يا بني هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم الخ

كنز الدقائق ص ٦٣/١ ولا يجوز دفعها إلى بني هاشم ولا إلى مواليهم الخ

الجوهرة النيرة ص ١٦٥ (قوله ولا يدفع إلى هاشمي) يعني لا يجوز الدفع إليهم بالإجماع وهل يجوز أن يدفع بعضهم إلى بعض قال أبو حنيفة لا يجوز الخ

المبسوط ص ٣/١٢ وكذلك لا تدفع إلى هاشمي [illegible] لا يجوز لقوله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لمحمد ولا لآل محمد الخ فتح القدير ص [illegible] فتاوى خانية ص [illegible] فتاوى دار العلوم ديوبند ص [illegible]

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ اور اقوال فقہیہ سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ سید بنو ہاشم کو زکوۃ دینا اور لینا جائز اور درست نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد عبداللہ
دار الافتاء جامعہ فاروقیہ
کراچی ۲۵
[illegible] ۱۴۲۰ھ
[illegible]

الجواب صحیح
[illegible]
دار الافتاء جامعہ فاروقیہ
[illegible]
[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبرین اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ جو درست ہو براہِ کرم مفتیٰ بہ قول درج فرمائیے۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

المستفتی
عبد المجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک نمبر ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

۷۸۶

الجواب — حامداً ومصلیاً

احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کا صحیح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں خواہ خمس پایا جائے یا نہ پایا جائے بنو ہاشم کو زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ دینا کسی کیلئے جائز نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ زمانۂ موجودہ میں خمس نہ پائے جانے کی وجہ سے بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے صحیح نہیں۔ البتہ بنو ہاشم کو صدقاتِ نافلہ دینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

وأطلق الحكم في بني هاشم ولم يقيده بزمان ولا بشخص للإشارة إلى رد رواية أبي عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم وإيصالها إلى مستحقيها وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض وللإشارة إلى رد الرواية بأن الهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله لأن ظاهر الرواية المنع مطلقاً (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۲)

ولا إلى بني هاشم إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب ....

.... ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع وقول العيني والهاشمي يجوز له دفع زكاته لمثله صوابه لا يجوز نهر (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲)

(قوله إطلاق المنع) يعني سواء في ذلك كل الأزمان وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعضهم ودفع غيرهم لهم وروى أبو عصمة

جاری...

عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه
لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم ......
كذا في البحر وتعالى في النهر وجوّز أبو يوسف رحمه الله
دفع بعضهم إلى بعض وهو رواية عن الإمام وقول
العيني رحمه الله والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته
إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لأبي
لأبي يوسف رحمه الله صوابه لا يجزي ولا يصح حمله
على اختيار الرواية السابقة عن الإمام فتأمل اهـ
وجهه أنه لو اختار تلك الرواية ما صح قوله
خلافاً لأبي يوسف رحمه الله لما علمت من أنه موافق لها
مع اختصار الشارح بعض إيهام (الشامية ص ج ٢)
والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحيح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
١٢-١-١٤٠٥ھ

کتبہ: نور محمد زنگولی
دار الافتاء - دار العلوم کراچی ١٤
١٢-١-١٤٠٥ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانہ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبرین کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال کے مطابق مفتیٰ بہ قول درج فرمائیے۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

حوالہ نمبر [redacted]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ملے یا نہ ملے۔ وفی البحر الرائق واطلق الحکم فی بنی ہاشم ولم یقیدہ بزمان ولا بشخص للاشارۃ الی رد روایۃ ابی عصمۃ عن الامام انہ یجوز الدفع الی بنی ہاشم فی زمانہ لان عوضہا وہو خمس الخمس لم یصل الیہم لاہمال الناس امر الغنائم وایصالہا الی مستحقیہا واذا لم یصل الیہم العوض عادوا الی المعوض وللاشارۃ الی رد الروایۃ بان الہاشمی یجوز لہ ان یدفع زکوٰتہ الی الہاشمی مثلہ لان ظاہر الروایۃ المنع مطلقا (ج ۲ ص ۲۴۶)

پس جو روایت شاذہ ہے جس پر فتویٰ نہیں جو اس شاذ روایت پر عمل کرتا ہے وہ دلیل کے خلاف ہے۔ تمام معتبر کتب کا فتویٰ عدم جواز پر ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۱ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ
مہر
خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح
محمد عبدالرزاق
مہر
خیر المدارس۔ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء و افتاء کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال لکھ کر مفتیٰ بہ قول درج کریں۔

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

الجواب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

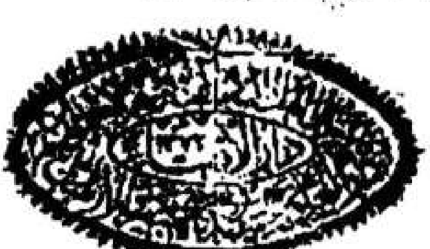

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہائے معتبرہ اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟ درست صورت حال اور مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک [illegible] گلشن اقبال
کراچی۔

الجواب

حق بر مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہذہ الصدقات انما ہی اوساخ الناس وانہا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد رواہ مسلم۔ درمختار میں ہے ولا الی بنی ہاشم الخ ثم قال [illegible] المذہب اطلاق المنع [illegible] ص ۲۲۹ [illegible] وفی ذالک کل الازمان [illegible]

[illegible]
محمد عبداللہ
مفتی قاسم العلوم ملتان
۱۳/۱۱/۱۴۰۶ھ

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اعلام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے - یہ قول کہاں تک درست ہے ؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف ؟ درست صورت حال کیا ہے مفتیٰ بہٖ قول درکار ہے -

مورخہ
۱۵ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی -

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی جبکہ خمس الخمس بنی ہاشم کو نہیں دیا جاتا زکوٰۃ دینا ان کو بھی سادات کو درست نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے

ولا الی بنی ہاشم الیٰ ان قال ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع (درمختار)

یعنی سواء فی ذلک کل الازمان وسواء فی ذلک دفع بعضہم لبعض ودفع غیرہم لہم (فتاویٰ شامی جلد ۲ باب المصرف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر کتاب فتاویٰ کی متعدد عبارات نقل فرما کر لکھتے ہیں:
ان عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ظاہر روایات اور مذہب منقول کا اختیار کردہ مسلک یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو دینا بھی جائز نہیں نہ ہوگا اور اگر کسی نے دیدی تو ظاہر مذہب کی بناء پر ادا نہ ہوگی الخ امداد المفتین ص ۳۴۲ ج ۱ - واللہ اعلم بالصواب

بعنوان عبدالشکور عفا اللہ عنہ
دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۷/۱۱/۱۴۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء و افتاء کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے ۔ یہ قول کہاں تک درست ہے ؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف ۔ اگر درست صورت حال اور مفتیٰ بہ قول درکار ہے ۔

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

الجواب [illegible]

راجح مفتیٰ بہ یہی ہے کہ جائز نہیں [illegible] الصدق الفائق [illegible] ذوی القربیٰ [illegible] زکوٰۃ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

واللہ اعلم [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء و افتاء کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ملنے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبرین اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال سے مطلع [illegible] قول درکار ہے

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

المستفتی
عبد المجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

۱۲۳۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible]

سادات کو زکوٰۃ دینا [illegible] جائز نہیں ہو سکتا۔

الجواب صحیح [illegible]

[illegible]
مفتی دار العلوم کراچی [illegible]
[illegible] ذوالقعدہ
[illegible]

دار الافتاء [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء احناف کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانہ موجودہ میں جائز ہے ۔ یہ خیال کہاں
تک درست ہے ؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف ؟
درست صورت سوال کا مفتی بہ قول درکار ہے ۔

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی ۔

مورخہ
۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

الجواب وباللہ التوفیق ۔ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے ۔ احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ کی اس کی
تائید کرتی ہیں ۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے ۔ (قوله بنی هاشم وموالیهم) ای لا یجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن اهل
بیت لا تحل لنا الصدقة ، ولحدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة ۔ مصنف عبدالرزاق ج ۲
درمختار میں لکھا ہے ۔ (و) الحق الکلام فی بنی هاشم ولم یقیدوه بزمان ولا بشخص للاشارة الی [illegible]
عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زماننا [illegible] عبدالرزاق ص ۲۶۱ ج ۲
مفتی ابوبکر کی عبارت ہے (وخصهم) ای بنی ہاشم الجواز [illegible] مطلقا قال الطحاوی [illegible]
[illegible] ظاهر الروایة [illegible] کان فی المجتبی ۔ مفتی ابوبکر علی [illegible] ص ۲۹۰ ج ۱
درمختار کی عبارت ہے (ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والعالم [illegible] بجواز دفع الزکوٰۃ [illegible]
[illegible] (اطلاق المنع) [illegible] سواء فی ذلک کل الازمان [illegible]
[illegible] عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه [illegible]
[illegible] طحاوی [illegible] ص ۲۶۶ ج ۲ [illegible]
[illegible] بنی هاشم [illegible] بنی هاشم [illegible]
[illegible] خمس الخمس [illegible] بنی هاشم
[illegible] الصدقة [illegible] بنی هاشم ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

دار الافتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اعلام کہ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے زمانۂ موجودہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء معتبر اس کے حق میں ہیں یا خلاف؟
درست صورت حال کے لئے مفتیٰ بہ قول درکار ہے۔

مورخہ
۱۵۔ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

المستفتی
عبدالمجید ناظم دفتر
مدرسہ احسن العلوم
بلاک ۲ گلشن اقبال
کراچی۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس
مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد
فلا شئی له"

جس نے جنازے کی نماز مسجد میں پڑھی اسکا کوئی اجر نہیں۔

آنحضرت ﷺ سے مسجد میں جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے آپ ﷺ نے اس
لئے مسجد سے باہر ایک چبوترہ بنوایا تھا جہاں جنازے کی نماز ادا کی جاتی تھی۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۱)

چاہے امام مسجد میں ہو اور جنازہ باہر، کچھ نمازی مسجد میں ہوں اور کچھ باہر، یا امام
مسجد سے باہر ہو کچھ نمازیوں کے ساتھ اور کچھ نمازی مسجد میں ہوں کسی بھی صورت میں مسجد
میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی تمام کتب میں اِس بات کی
صراحت موجود ہے، مگر موجودہ دور میں اس مسئلہ کی مخالفت سرِ عام دیکھنے میں آتی ہے، اللہ
تعالیٰ ہمیں صحیح دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مذہبِ حنفی کے سب سے بڑے امام، الامام
الاعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مایہ ناز شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

قول فتاویٰ عالمگیری جو کہ ۵۰۰ فقہاءِ امت کے اشتراک سے تیار کیا گیا ہے میں نقل کیا گیا ہے کہ ’’ہر مکروہ حرام کے ہی حکم میں ہے‘‘۔

’’عن محمد رحمه الله تعالیٰ نصا ان کل مکروه حرام‘‘

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۸)

کتبِ احادیث

بخاری شریف

بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷ پر حدیث میں مذکور ہے کہ

ان ابا هريرة قال ان النبی ﷺ صف بهم بالمصلی فکبر علیه اربعا‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے صفیں بنوا کر (جنازے کیلئے) مصلّے (مسجد سے باہر ایک چبوترا) میں اس جنازے پر چار تکبیریں کہیں۔

جنابِ نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانے میں ہی مسجد سے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مقرر فرمائی تھی، اسی حدیث کے حاشیہ میں تحریر ہے کہ، اگر آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ مسجد میں ہی پڑھنے کو مشروع رکھنا تھا تو پھر آپ ﷺ نے مسجد کے باہر جگہ کیوں مقرر کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا درست نہیں اور جس حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ مسجد میں پڑھا وہ کوئی خاص واقعہ ہے اور ایک ہی موقع ہے اس کے علاوہ کہیں بھی حدیث میں مذکور نہیں کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی گئی ہو۔

فیض الباری شرح بخاری

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب فیض الباری شرح صحیح بخاری میں طویل کلام کے بعد تمام احادیث کی روشنی میں یہی نتیجہ درج فرمایا ہے کہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا ممنوع ہے اور جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی آپ ﷺ نے بناء بر عذر سوائے ایک یا دو بار کے نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے دور میں جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی سے باہر جگہ مختص فرمائی تھی جہاں نمازِ جنازہ ادا کی جاتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں

"ولا يصلي على الجنازة في المسجد عندنا وعند مالك رحمه الله والافضل عند الشافعي رحمه الله أن يصلي خارج المسجد وجاز في المسجد ايضا ثم قال العلامة القاسم انها مكروهة تحريما واختار الشيخ ابن الهمام رحمه الله التنزيه قلت بل هي اساءة على ما سماها صدر الاسلام أبو اليسر وهي مرتبة بين التحريم والتنزيه وكذلك لا يناسب وضع الجنازة في المسجد ويعلم من صنيع البخاري رحمه الله انه متردد في ذلك ولنا ما عند ابي داؤد ص٩٨ ج٢ من صلى على جنازة (في المسجد) فلا شئ له .....وقداستدل محمد رحمه الله في مؤطاه أن مصلي الجنائز في

عهد النبی ﷺ کان بجنب المسجد فهذا دلیل قوی علی أن صلوٰة الجنازة ینبغی ان تکون خارج المسجد حتی أن النبی ﷺ لما بلغه نعی النجاشی خرج الی خارج المسجد ولم یصل فیه ولم یثبت عن النبی ﷺ أنه صلی فی المسجد الا مرة أو مرتین ......

ترجمہ: ہمارے نزدیک اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھنا افضل ہے اور مسجد میں جائز ہے، جبکہ علامہ قاسم رحمہ اللہ نے مکروہ تحریمی کا قول فرمایا ہے اور شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے مکروہ تنزیہی کا، جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا اسائت ہے جو کہ مکروہ تحریمی اور تنزیہی کے مابین ہے جیسا کہ صدر الاسلام ابو الیسر نے فرمایا ہے، اور اسی طرح مسجد میں جنازہ رکھنا بھی مناسب نہیں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس میں متردد ہیں اور ہماری وہی دلیل ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے کہ جس نے مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اس کا کوئی اجر نہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں استدلال فرمایا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے دور میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد سے باہر تھی، پس یہ دلیل قوی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ادا کی جائے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کو نجاشی کی فوتگی کی خبر آئی تو مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ فرمائی، اور آنحضرت ﷺ سے مسجد میں ایک یا دو مرتبہ کے علاوہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہی نہیں۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۷۱ تا ۴۷۳)

نیز اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں الگ باب قائم فرمایا کہ

"باب الصلوٰة على الجنائز بالمصلى والمسجد"

جس کے ذیل میں علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اى هذا باب فى بيان حكم الصلاة على الجنائز بالمصلى بضم الميم وفتح اللام المشددة وهو الموضع الذى يتخذ للصلاة على الموتى فيه"

یعنی جنازے کی نماز کا حکم مصلی (مخصوص جگہ) پر اور مصلی وہ جگہ جہاں پر جنازے کو رکھا جاتا ہے۔

اور آگے چل کر علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں

"ولعل غرض البخارى النفى بأن لا يصلى عليها فى المسجد بدليل تعيين رسول الله ﷺ موضع الجنازة عند المسجد ولو جاز فيه لما عينهٗ فى خارجه وبهذا يدفع كلام ابن بطال ليس فيه اى فى حديث ابن عمر دليل على الصلاة فى المسجد ،انما الدليل فى حديث عائشة "صلى رسول الله ﷺ على سهيل بن بيضاء فى المسجد "(قلت)لو كان اسنادهٗ على شرطه لاخرجهٗ فى صحيحه.

مطلب یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور رجحان اس طرف ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز نہیں ہے اس دلیل کے ساتھ کہ جناب نبی کریم ﷺ نے جنازے کی جگہ مسجد کے پاس (باہر) مقرر فرما رکھی تھی اگر مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ

جنازے کی جگہ مسجد سے باہر کیوں متعین فرماتے ، اور اسی کے ساتھ ہی ابن بطالؒ کے کلام کی تردید ہو جاتی ہے وہ ایسے کہ انہوں نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دلیل مستنبط فرمائی تھی مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنے کی، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی تو اس بارے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اس حدیث کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شرطوں پر ہوتی تو امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی صحیح میں ضرور لاتے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ جزء ۸ ص ۱۳۲ (دار الفکر)

علامہ بدر الدین عینیؒ کا یہ کلام نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کے بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں تمام احادیث جو کہ موافق اور مخالف کے دلائل ہیں ان کو سامنے رکھ کر نتیجہ خیز انجام حاصل کیا گیا ہے، جس سے سنت مستمرہ کا پتہ چلتا ہے، کہ نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنا کسی بھی صورت میں احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے،

صحیح مسلم

مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳ میں بھی یہی روایت مذکور ہے کہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے کو مسجد میں پڑھنے کے لئے لایا گیا تو تمام صحابہ کرام نے اس کو بُرا جانا اور انکار کیا کہ مسجد میں کیسے جنازہ ہو سکتا ہے

''ان عائشة امرت ان یمر بجنازة سعد بن ابی وقاص فی المسجد فتصلی علیه فانکر الناس ذلک علیهافقالت ما اسرع ما نسی

الناس ما صلی رسول اللہ ﷺ علی سھیل بن البیضاء الا فی المسجد''

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لاکر پڑھا جائے تاکہ میں بھی پڑھ لوں تو صحابہ کرام نے اس پر نکیر ظاہر فرمائی تو حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہ ان سے فرمانے لگیں کہ اتنی جلدی بھول گئے لوگ کہ جناب نبی کریم ﷺ نے سہیل ابن بیضاء کا جنازہ مسجد کے علاوہ کہیں پڑھا ہی نہیں تھا۔

اور دوسری روایت میں ہے بھی اسی واقعہ کا تذکرہ ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع اور حضرت عائشہ کا قبول مسئلہ واضح ہے۔

حاشیہ میں حضرت سہیل والی حدیث جو فریق مخالف کی دلیل ہے کہ جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے بلا عذر شرعی بھی اس کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں کہ وہ ایک خاص واقعہ ہے، یا پھر وہ حدیث ضعیف ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے امیر المؤمنین فی الحدیث امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کا جواب بھی آگے آرہا ہے وغیرہ وغیرہ

سنن ابی داؤد

''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ'' (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۱، ابن ماجہ ص ۱۱۰)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے

مسجد میں جنازہ (کی نماز) پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملا۔

حاشیہ میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں سہیل ابن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا ہے وہ کوئی خاص واقعہ ہے بعد میں تمام کا اسی پر اتفاق ہوگیا تھا کہ جنازہ مسجد میں نہ پڑھا جائے۔ جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور سے ہی مسجد کے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مقرر تھی جس کا ذکر بار بار احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے۔

مصنف عبدالرزاق

"عن صالح بن نبهان قال سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة فی المسجد فلا شیء له"

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۲۷ حدیث ۶۵۷۹)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے مسجد میں جنازہ (کی نماز) پڑھی اسے کچھ بھی نہیں ملا۔

شرح معانی الآثار (طحاوی)

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر طویل کلام کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی بات کا واضح ثبوت ملتا ہے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت کا بھی مفصلاً جواب دیا ہے کہ یہ کوئی ایک نادر واقعہ ہے ورنہ آپ ﷺ کیوں مسجد نبوی کے باہر جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ مختص

فرماتے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

وکان ابو هريرة رضی الله عنه قد علم من رسول الله نسخ الصلوٰة عليهم في المسجد بقول رسول الله الذي سمعه منه في ذٰلک .....فذٰلک اولیٰ من حديث عائشة لان حديث عائشة رضی الله عنها اخبار عن فعل رسول الله في حال الاباحة التي لم يتقدمها نهی.....فصار حديث ابی هريرةؓ اولی من حديث عائشةؓ لانه ناسخ لهٗ. (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۶، ۲۸۷)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں اباحت ہے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنے کیلئے وہ منسوخ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو ابوداؤد اور بخاری شریف میں ہے، اور اجماع صحابہ وتابعین سے۔

اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب اوجز المسالک الیٰ مؤطا مالک میں ایک طویل بحث اس مسئلہ پر فرمائی ہے اور اس کے تمام اصناف پر کلام کیا ہے ایک جگہ حضرت والا رقمطراز ہیں

"قال محمد في مؤطاه لا يصلی علی جنازة في المسجد وكذٰلک بلغنا عن ابی هريرة و موضع الجنازة بالمدينة خارج المسجد وهو الموضع الذي كان النبي صلى الله عليه وسلم

بمصلى على الجنازة فيه. يعني اتخاذه صلى الله عليه وسلم مصلى مخصوصاً للجنائز بجنب المسجد يؤيد كراهة بالمسجد والا لم يحتج الى ذالك" (اوجز المسالک ج۲ ص۴۵۹)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مؤطا میں فرماتے ہیں مسجد میں جنازے کی نماز ادا نہ کی جائے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ مدینے میں جنازے کی جگہ مسجد سے باہر ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جسے آپ ﷺ نے جنازے کی نماز ادا کرنے کیلئے مخصوص فرمائی تھی، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مسجد میں جنازہ مکروہ ہے ورنہ ایسا کرنے کی حاجت نہ تھی۔

اور اسی طرح مؤطا مالک کے حاشیہ میں وضاحت بالا کے ساتھ مزید حسن آرائی کی گئی ہے جسے تحریر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایسی کون سی صورتیں ہیں یا کون سے ایسے اعذار ہیں جن کی بناء پر مسجد میں جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ اور یہی بیان بیان جواز ہے فقط لکھتے ہیں:

"ومن الاعذار المطر كما فى الخانية والاعتكاف كما فى المبسوط وغيره يعني اعتكاف الولي ونحوه ممن لهٗ حق التقدم ولغيره الصلاة معهٗ تبعا له والا يلزم ان لا يصليها غيره........وفى الزيلعي على الكنز حديث عائشة حجة لنا لان الناس الذين هم اصحاب رسول الله ﷺ من المهاجرين والانصار قد عابوا عليهن ولولا ان الكراهة معروفة بينهم لما عابوا...

یعنی اعذار یہ ہیں کہ بارش (موسلا دھار) جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے
اعتکاف ہو جیسا کہ مبسوط اور دیگر میں ہے، اور ولی کا اعتکاف یعنی معتکف کے بیٹے یا باپ
بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار کا جنازہ ہو تو اس کیلئے جنازے میں آنے کا حکم (جواز) ہے اور
شخص بھی آسکتا ہے جنازے میں جو ولی کے تابع ہو کر پڑھے ورنہ یہی بات لازم آئیگی کہ
جنازے کی نماز ولی کے علاوہ کوئی اور نہ پڑھے،

یہ تحریر شدہ کلام ہے جو صرف بیان جواز اور بیان اعذار کی عکاسی کرتا ہے، آگے
امام زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث احناف ہی کیلئے حجت
ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار کی جماعت انہوں نے
ازواج مطہرات کے حکم کو انجانا سا سمجھا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نماز جنازہ م
میں مکروہ نہ ہوتی تو صحابۂ کرام اس حکم کو اتنا اچنبہ نہ سمجھتے۔

اور رہا یہ اشکال کہ حرمین شریفین میں بھی تو جنازے کی نماز فی زمانہ مسجد میں ہوتی
ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ "علامہ طحطاوی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ موطا کے شارح
علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ اس اختلاف
مسجد حرام اور مسجد نبوی سے مستثنیٰ رکھا جائے کیونکہ وہ تو جگہ ہی جماعات کے قائم کرنے کیلئے
ہے؛ جمعہ کی جماعت، عیدین کی جماعت، کسوفین کی جماعت، استسقاء کی جماعت اور نماز
جنازہ کی جماعت، اور فرمایا اس وجہ سے دیگر مساجد کا اطلاق حکم مسجد حرام اور مسجد نبوی پر
ہوگا، پھر محشی مذکور فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر اسی حکم کو (یعنی حرمین شریفین جگہ
جماعات کے قائم کرنے کیلئے ہے) مد نظر رکھا جائے تو اپنی بیضاء کیلئے جو نماز جنازہ مسجد میں

...گئی ہے اس کا اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

...عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے: "تاویل حدیث ابن البیضاء انه علیه الصلوٰة ...سلام کـان معتکفا. الخ (یعنی ابن البیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں آپ ﷺ نے اس ...پڑھی کیونکہ آپ معتکف تھے۔)

...حکی الطحطاوی عن شرح المؤطا للقاری ینبغی ان لا یکون ...خلاف فی المسجد الحرام فانه موضع للجماعات والجمعة ...العیدین والکسوفین والاستسقاء وصلوٰة الجنازة ......فلو دخل ...ی حکمه المسجدالنبوی فلا اشکال فی الصلوٰة علی ابنی البیضاء.

موطا امام مالک حاشیہ نمبر ۲ ص ۲۱۱ (میر محمد)

کتبِ فقه و فتاویٰ

...عالمگیری

...صلاة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة سواء ...کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم ...ی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم ...باقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج ...مسجد هو المختار کذا فی الخلاصة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵)

ترجمہ :اورنماز جنازہ مسجد میں قائم کرنا مکروہ ہے جہاں با جماعت نماز ادا کی جا
ہے، چاہے میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں، یا میت مسجد کے باہر ہواور قوم مسجد میں
امام بعض مقتدیین کے ساتھ مسجد سے باہر ہواور باقی قوم مسجد کے اندر، یا میت مسجد کے ا
ہواور امام اور قوم مسجد سے باہر، اسی پر فتویٰ ہے اور یہی خلاصہ میں بھی ہے۔ یعنی ا
صورت میں بھی مسجد میں جنازے کی نماز ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ

”وکذا تکره فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة سواء کان المیت والقوم فی المسجد، او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد، او المیت فی المسجد، والامام والقوم خارج المسجد وهو المختار“(موسوعۃ الفقہیۃ ج۱۶ص۳۵)

ترجمہ : اوراسی طرح نماز جنازہ مسجد میں جہاں جماعت ادا کی جاتی ہے(پنج وقتہ)
ہے خواہ میت اور قوم دونوں مسجد میں ہوں، یا میت مسجد سے باہر ہواور قوم مسجد میں ہو یا
مسجد میں اورامام و قوم دونوں مسجد سے باہر ہوں اور یہی قول فقہاء کا اختیار کردہ ہے

فتح القدیر

(قوله ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة)فی الخلاصة مکروه سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد او المیت فی المسجد والامام

والقوم خارج المسجدهذا فی الفتاویٰ الصغریٰ قال هو المختار خلافا لماأ وردالنسفی رحمه اللّٰہ وهذا الاطلاق فی الکراهةبناء علی ان المسجد انما بنی للصلوٰةالمکتوبةوتوابعها من النوافل و الذکروتدریس العلم (فتح القدیر ج۲ص۹۰).

جمہ :اور خلاصہ میں ہے کہ مکروہ ہے نماز جنازہ مسجد میں چاہے میت اور قوم دونوں مسجد ں ہوں، یا یہ کہ میت مسجد سے باہر ہو اور قوم مسجد میں ہو، یا امام بعض لوگوں کے ساتھ مسجد ے باہر کھڑے ہوں اور باقی لوگ مسجد کے اندر کھڑے ہوں، یا یہ کہ میت مسجد میں رکھ دی ئے اور امام اور قوم مسجد سے باہر ہوں، یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے بر اف اس کے کہ جو امام نسفیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ مطلقا مکروہ کہنا اس بناء پر ہے کہ مسجد فرض ازوں کی ادائیگی کیلئے اور اس کے توابع کیلئے مثلاً نوافل، ذکر اور علم کی تدریس کیلئے۔

ہرالفائق

’’(ولا فی مسجد) ای مسجد جماعة لقوله علیه الصلاة والسلام من صلی علی میت فی مسجد جماعة فلا اجر له رواه ابو داؤد واطلاقه یفید الکراهة سواء کان الامام والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد اوالمیت فی المسجد والامام خارج المسجد وهو المختار......‘‘ (النہرالفائق ج۱ص۳۹۶)

جمہ :(اور نہ ہی مسجد میں) یعنی جامع مسجد میں چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

جس نے جامع مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی اس کا کوئی اجر نہیں (ابوداؤد) اور مطلقا حکم کراہت کو مستلزم ہے چاہے امام اور قوم دونوں مسجد میں ہوں یا میت مسجد سے باہر رکھی ہو اور قوم مسجد میں کھڑی ہو یا امام بعض مقتدیین کے ساتھ مسجد سے باہر کھڑا ہو اور اور بقیہ لوگ مسجد میں صفیں بنائیں یا میت کو مسجد میں رکھ دیا جاوے اور امام مسجد سے باہر کھڑا ہو جاوے یہ تمام صورتیں منع ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر

(وتكره في مسجد جماعة ان كان الميت فيه) اى فى المسجد ....وقيل : يكره لان المسجد اعد لأداء المكتوبات فلا يقام فيه غيرها الا لعذر (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج۱ ص۲۷۲)

ترجمہ: (اور مکروہ ہے جامع مسجد میں جنازے کی نماز اگر میت مسجد میں ہو) اور مکروہ اس لئے ہے کہ مسجد فرائض (پنجگانہ) کی ادائیگی کیلئے بنائی گئی ہے، اس میں ان فرائض کے علاوہ کوئی اور نماز ادا نہ کی جائے مگر عذر شرعی کے ساتھ۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

(ولا فى مسجد)اى فى مسجد جماعة وهو مكروه كراهية التحريم فى رواية وكراهية التنزيه فى اخرى اما الذى بنى لاجل صلاة الجنازة فلا يكره فيه وجه الكراهية قوله عليه الصلوٰة و السلام من صلى على ميت فى مسجد فلا شىء له

(تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۲)

ترجمہ : (اور نہ ہی مسجد میں) یعنی جامع مسجد میں مکروہ تحریمی ہے اور ایک قول کراہت تنزیہی کا بھی ہے الّا یہ کہ اگر کوئی جگہ جنازے کی نماز کیلئے بنائی گئی ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے، اور کراہیت کی وجہ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس نے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اس کیلئے کچھ بھی نہیں۔

فتاویٰ سراجیہ

الصلوٰة على الجنازة فى مسجد يقام فيه الجماعة يكره ولو كانت الجنازة خارج المسجد ومع الامام صف وباقى القوم فى المسجد (حاشیہ قاضی خان فتاویٰ سراجیہ ج۱ ص۱۳۹)

ترجمہ : جنازے کی نماز جامع مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور کچھ لوگ بھی مسجد سے باہر ہوں اور باقی قوم مسجد میں ہوں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ

وانما تكره الصلاة على الجنازة فى المسجد الجامع ومسجد الحى عندنا (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۳ ص۷۸ نوع آخر من هذا الفصل فى المتفرقات)

ترجمہ : اور نماز جنازہ مکروہ ہے جامع مسجد میں اور محلّہ کی مسجد میں بھی، ہمارے نزدیک۔

فتاویٰ شام

"مصلى الجنازة أنه ليس له حكم المسجد اصلا، وما صححه تاج الشريعة أن مصلى العيد له حكم المساجد" (فتاویٰ شام ج۲ ص۵۱۹ رشیدیہ)

جنازہ گاہ کیلئے مسجد کا حکم نہیں ہے اور اس کی تصحیح تاج الشریعہ نے بھی کی ہے یہ کہ

کر کہ عیدگاہ مساجد کے حکم میں ہے۔

محیط برہانی

وأنما تكره الصلوٰة على الجنازة فى الجامع ومسجد الحى عندنا

اور مکروہ ہے نماز جنازہ جامع مسجد میں اور محلّہ کی مسجد میں بھی۔

(محیط برہانی ج۲ص ۳۳۷)

خلاصۃ الفتاویٰ

المسجد المتخذ لصلوٰة الجنازة وصلوٰة العيد الأصح أنه ليس له حكم المسجد ذكره الامام سرخسى" (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ص ۲۲۷)

ایسی مسجد جو بنائی ہے عید اور جنازے کیلئے کی گئی ہو صحیح بات یہی ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اسے امام سرخسی ؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

مبسوط سرخسی

حضرت علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اور ہمارے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے "وتكره الصلاة على الجنازة فى المسجد عندنا" (کتاب المبسوط سرخسی جلد دوم ص ۱۰۹ مطبوعہ بیروت)

دارالعلوم دیوبند کے اہم فتاویٰ

فتاویٰ رشیدیہ

فقیہ الہند، ولی الہند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

''نماز، جنازہ کی مسجد میں پڑھنا ہر حال میں مکروہ ہے'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳۰)

احسن الفتاویٰ

احسن الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مسجد میں نمازِ جنازہ بہر حال مکروہ ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، البتہ بارش وغیرہ جیسا عذر ہو یا باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں نماز جائز ہے۔

ایسی صورت میں اگر جنازہ باہر ہے تو بہتر صورت یہ ہے کہ امام اور چند مقتدی بھی مسجد سے باہر چبوترے پر کھڑے ہوں کیونکہ جنازہ من وجہ بحکم امام ہے اور صرف امام کا الگ مکان میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۴۴)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں تفصیلاً جواب دینے کے بعد آخری نتیجہ یہی نکالا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے،

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۲۰۶ اور ۲۱۲)

فتاویٰ رحیمیہ

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ

"(مسجد میں نمازِ جنازہ) بعض کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی" (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۳۹)

فتاویٰ مفتی محمود

فتاویٰ مفتی محمود کتاب الجنائز میں ایک سوال کے جواب میں طویل عبارت درج کرنے کے بعد تحریر کیا گیا ہے کہ

"ان روایات سے واضح ہے کہ عند الحنفیہ مسجد جماعۃ میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے اگرچہ میت مسجد کے باہر ہو پھر بھی صحیح اور مختار یہ ہے کہ اس سے کراہت مرتفع نہیں ہوتی اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ویظهر ان الاول كونها تنزيها اذا الحديث ليس هو نصا غير معروف ولاقرن الفعل بوعيد (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۴۵ المعات) اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ ہی کو ترجیح ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں کراہت سے خالی نہیں۔" (فتاویٰ مفتی محمود ج ۳ ص ۶۹ اور ۷۲)

فتاویٰ حقانیہ

فتاویٰ حقانیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ

"فقہ حنفی کی رو سے بغیر کسی شرعی عذر کے مسجد کو جنازہ کے لئے بروئے کار نہیں لانا

سکتا۔ البتہ اگر بارش ہو یا دوسرے ایسے اعذار ہوں کہ بیرونِ مسجد جنازہ پڑھنے میں

تکلیف ہوتو پھر مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔(فتاویٰ حقانیہ ج۳ص ۴۴۲)

آپ کے مسائل اوران کا حل

آپ کے مسائل اوران کا حل میں شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، الا یہ کہ کسی عذر کی بناء پر مسجد

میں پڑھنا ہی ناگزیر ہوجائے۔ پھر مسجد میں جنازہ پڑھنے کی چند صورتیں ہیں

(۱) میت، امام اور مقتدی مسجد میں ہوں۔

(۲) میت باہر ہواور امام اور مقتدی مسجد میں ہوں۔

(۳) میت امام اور کچھ مقتدی باہر ہوں، باقی مسجد میں ہوں۔

یہ ساری صورتیں مکروہ ہیں، البتہ پہلی میں دوسری سے اور دوسری میں تیسری سے

زیادہ کراہت ہے۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ باہر نمازِ جنازہ پڑھنا ناممکن یا از حد مشکل ہوتو

مسجد میں پڑھنا بأمرِ مجبوری جائز ہے''۔

(آپ کے مسائل اوراُن کا حل ج۴ص ۳۸۲)

کفایت المفتی

نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے، مگر مسجد سے وہ جگہ مراد ہے جو نماز کیلئے مخصوص ہواور

اگر شمالا یا جنوبا اس میں کوئی عمارت ہو(جیسے: مسجد فتح پوری میں ہے) یا مشرقی سمت میں

مسجد سے علاوہ اور جگہ ہو(جیسے مسجد فتح پوری میں حوض سے مشرقی سمت میں ہے) تو وہاں

نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور (جامع مسجد دہلی میں) حوض کی پٹڑی پر نماز جنازہ پڑھنا کہ امام اور ایک صف حوض کی پٹڑی پر ہو، یہ بھی جائز ہے اگر چہ زائد نمازی فرش مسجد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔ (کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۷۲)

العرف الشذی

تکره الصلوٰة علی الجنازة فی المسجد عندنا وان کان المیت خارج المسجد واختار العلامة قاسم بن قطلوبغا الکراهة تحریما وشیخه ابن الهمام تنزیها ولعل هٰذه الکراهة بین التحریمة والتنزیه وتسمی بالأساءة کما قال صدر الاسلام ابو الیسر (العرف الشذی ص ۳۸۳)

نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے ہمارے (احناف) نزدیک اگر چہ میت مسجد سے باہر ہو اور علامہ قاسم ابن قطلوبغا نے کراہت تحریمی کا قول فرمایا ہے اور ان کے شیخ ابن الہمام نے کراہت تنزیہی کا، اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ تحریمی اور تنزیہی کے مابین ہے جسے اسائت کہا جاتا ہے جیسا کہ صدر الاسلام ابو الیسر نے کہا ہے۔

فتاویٰ محمودیہ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کے مشہورِ زمانہ فتاویٰ ''فتاویٰ محمودیہ'' میں بہت مفصل کلام اس موضوع پر موجود ہے مناسب جانا گیا کہ اس کو مکمل نقل کر دیا جائے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے جنازے سے متعلق

سوال پوچھا گیا کہ وہ دلیل جو احناف کی متدل ہے کہ "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجر له" کے بارے محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں بھی ضعف ہے، ضعیف راوی صالح مولی تؤمۃ کی وجہ سے اور اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے، جبکہ فریق مخالف کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سنداً متناً صحیح ہے، تو کیا صحیح حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے؟

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا جواب بالتفصیل عنایت فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل سطور میں زیر نظر ہے:

فرماتے ہیں کہ جنازے کی نماز بغیر کسی عذر کے مسجد میں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له" (سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۹۸، سنن ابن ماجہ ص ۱۱) نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے ج ۳ ص ۱۵۳ پر اپنی مصنف میں، امام احمد نے اپنی مسند میں ج ۲ ص ۴۴۴، بیہقی نے ج ۴ ص ۵۱ میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۴ پر روایت کیا ہے بحوالہ بغیۃ الألمعی فی تخریج الزیلعی ج ۲ ص ۲۷۵۔

نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی، پھر صحابہ کو لے کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس کے قریب نماز جنازہ کیلئے جو مخصوص جگہ تھی، وہاں پر صف بستہ نماز پڑھائی: "عن أبی هريرة قال نعی لنا رسول الله ﷺ النجاشی صاحب الحبشة اليوم الذی مات فيه فقال أستغفروا لأخيكم. وفی رواية "نعیٰ النجاشی فی اليوم الذی مات فيه

وخرج بهم الی المصلیٰ فصف بهم و کبر علیه اربع تکبیرات" (صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۷، ۱۷۸، صحیح مسلم ج ا ص ۳۰۹)

اور یہ واقعہ اس واقعہ کی تخصیص نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کا دائمی عمل تھا اس معاملہ میں یہی تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے: "ما کانت الجنائز یدخل بها فی المسجد ج ا ص ۳۱۳ یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" میں تحریر فرماتے ہیں "ولم یکن من هدیه الراتب الصلوٰة علیه فی المسجد، وانما کان یصلی علی الجنازة خارج المسجد ج ا ص ۱۴۳ یعنی آنحضرت ﷺ کا دائمی دستور مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ مسجد کے باہر ہی جنازہ پڑھتے تھے۔ ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انهم لم یکونوا یصلون علی الجنائز داخل المسجد الشریف" (مرقات ج ۳ ص ۳۴۲) یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں: "انهم کانوا لا یصلون علی میت فی المسجد" (المدخل ج ۲ ص ۸۱) یعنی وہ لوگ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں کسی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر اس کیلئے مستقل اور علیحدہ جگہ بنوائی گئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے: "ان الیهود جاؤا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم برجل منهم ومرأة زنیا، فأمر بهما فرجما قریبا من موضع

ائز عند المسجد" ج ۱ ص ۱۷۷) یعنی یہود آنحضرت ﷺ کے پاس ایک ایسے
ر عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا لے کر آئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا تو ان کو مسجد سے
ے جنازہ پڑھنے کی جگہ میں سنگسار کیا گیا۔
چنانچہ ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ والی اس روایت کی شرح کرتے ہوئے محدث کبیر حافظ
ر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث رجم یہ بتاتی ہے کہ نماز
کیلئے ایک جگہ مقرر تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا
عارضی وجہ سے تھا: "ودل حديث ابن عمر ﷺ المذكور على انه كان
ـنائز مكان معد للصلوٰة عليها ،فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلوٰة
بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰)
اور اسی جگہ فرماتے ہیں: "عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان
قا بمسجد النبي ﷺ من ناحية جهة المشرق" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۰)
دینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی ﷺ کے متصل جانب شرق میں تھی۔
ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پانچ نمازوں کیلئے بنائی جاتی ہے اس
از جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہیت کے
ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے لئے ایک اور جگہ مستقل نہ بنواتے بلکہ مسجد ہی اس کیلئے
تی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے اس کے لئے ایک اور جگہ مستقل بنوائی اور مسجد نبوی
ر ختم ہوتے ہی جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی گئی، چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس کی تصریح
د ہے:

”وقد ذكر ابن سعد في الطبقات الكبير أن النبي ﷺ بنىٰ موضعا للجنائز لاصقا بالمسجد بعد الفراغ من مسجد الشريف في السنة الأولىٰ من الهجرة“ (التعليق الصبيح ج۲ ص۲۳۹)

اس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلین جواز کی دلیل کا بھی جائزہ لیا جائے اوران کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ جولوگ جواز کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی مسلم شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

”عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: لما توفي سعد بن وقاص أرسل أزواج النبي ﷺ أن يمروا بجنازته في المسجدفيصلين عليه، ففعلوا فوقف به علىٰ حجرهن يصلين عليه، ثم أخرج به من باب الجنائز الذي كان الى المقاعد، فبلغهن أن الناس قد عابوا ذٰلك وقالوا ما كانت الجنائز يدخل به المسجد، فبلغ ذٰلك عائشة رضي الله عنها فقالت: ما أسرع الناس الى أن يعيبوا ما لا علم لهم به، عابوا علينا أن يمر بجنازة في المسجد، وما صلىٰ رسول الله ﷺ على سهيل بن بيضاء ألا في جوف المسجد“ مسلم ج ۱ ص ۳۱۴

اولا: تو یہ واقعہ ہے جو کسی عذر کی وجہ سے پیش آیا۔ چنانچہ مولانا قطب الدین محمد دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں صریح آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ معتکف تھے، اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی، مظاہر حق ج ۲ ص ۴۹) اور حافظ ابن حجر ؒ کا ا

یہی ہے عذر کی وجہ سے تھا: ''فقد یستفاد منه أن ما وقع من الصلوٰة علیٰ
ض الجنائز فی المسجد کان لأمر عارض ''(فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۴)

یاً: خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مسجد میں جنازہ
ھنے کا دستور نہ تھا ورنہ فرمائش کی کیا ضرورت تھی۔

ثاً: محض سہیل بن بیضاء کی مثال دینا ثابت کرتا ہے کہ دوسرے جنازے خارج مسجد
ھے جایا کرتے تھے، مذکورہ جنازہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا ہے۔

عاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انکار ثابت کرتا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا دستور نہ تھا
نچہ انہوں نے صاف انکار کیا: ''ما کانت الجنائز یدخل به المسجد'' جو اس کے
ف سنت ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

یہ جوابات تو اس وقت ہیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو متصل تسلیم
لیں، حالانکہ امام دار قطنی نے اس حدیث کے بارے میں امام مسلم پر استدراک اور
اخذہ کیا ہے اور اس کو مرسل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''خالف الضحاک حافظان: مالک والماجشون، فرویاه عن أبی النضر عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها مرسلا، وقیل عن الضحاک عن أبی النضر عن أبی بکر بن عبد الرحمٰن، ولا یصح الا مرسلا: هٰذا کلام الدار قطنی'' نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲

یعنی اس حدیث میں دو بڑے حفاظ حدیث: امام مالک اور ماجشون نے ضحاک
کی مخالفت کی ہے، انہوں نے اس روایت کو ''عن أبی النضر عن عائشہ رضی اللہ عنہا'' منقطع بیان کیا ہے

اور ضحاک نے ''عن أبي النضر عن أبي بکر بن عبد الرحمٰن'' روایت کیا ہے حالانکہ اس روایت کا منقطع ہونا ہی صحیح ہے۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں :روایت منقطع سے استدلال کہاں تک صحیح ہے؟خصوصاً اس کے مقابلے میں حدیث متصل مرفوع موجود ہے۔ یہ مخالفین کی دلیل اور اس کا جواب تھا۔

اب انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں :اس روایت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ '' صالح مولیٰ التوأمۃ'' ہے جو ضعیف ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ صالح کو ضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہو جائے ،یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہو، ان کی روایت کے معتبر اور قابل حجت اور استدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

''تقریب التہذیب'' میں ہے کہ:

”صالح ابن نبهان المدنی مولیٰ التوأمة ،بفتح المثناة وسکون الواو بعدها همزة مفتوحة .صدوق اختلط بآخره ،قال ابن عدی :لا بأس بروایة القدماء عنه کابن أبی ذئب وابن جریج.“ص ۱۷۵

یعنی صالح ابن نبہان مدنی مولیٰ توأمۃ صدوق ہیں، ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے

طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن أبي ذئب اور ابن جریج، اور مذکورہ روایت "من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فلا شىء له" میں صالح سے روایت کرنے والے ابن أبي ذئب ہیں، اس لئے یہ بھی صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔

امام زیلعی نصب الرایۃ میں فرماتے ہیں "وأسند عن ابن معين أنهٗ قال فيه ثقة الا انهٗ اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذٰلک فهو ثبت حجة، وممن سمع منه قبل الاختلاط ابن أبي ذئب، ص ۱۸۵

یعنی ابن مَعین سے سنداً ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ (صالح) ثقہ ہیں مگر اخیر عمر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا، پس جن لوگوں نے اس حالت کو طاری ہونے سے پہلے سنا ہے، وہ ثابت اور قابل حجت ہیں اور ان ہی لوگوں میں سے ابن أبي ذئب بھی ہیں۔

خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (جن کے قول سے مخالفین حجت پکڑتے ہیں) فرماتے ہیں:

"ما أعلم به بأسا من سمع قديما، وقد روىٰ عنه أكابر أهل المدينة" كتاب العلل ومعرفة العجال للأمام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۴۸)

یعنی جن لوگوں نے (صالح ابن تو أمۃ) سے ابتداء سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان صالح سے اکابر اہل مدینہ نے روایت کیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ اپنی کتاب "غنیۃ المستملی" المعروف بہ "کبیری" میں ابن مَعین سے نقل فرماتے ہیں: "قال ابن مَعين: ثقة لكنه اختلط قبل موته، فمن

سمع منه قبل ذٰلک فهو ثبت حجة ،و کلهم علیٰ أن أبن أبی ذئب سمع منه قبل الأختلاط "

یعنی ابن معین فرماتے ہیں کہ (صالح) ثقہ ہیں لیکن وفات سے پہلے ان کو اختلا ا ہوگیا تھا (اس لئے جن لوگوں نے ان سے حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابل حجت ہے) اور سارے محدثین اس پر متفق ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام سنن أبي داؤد نے اس پ کسی قسم کی جرح نہیں کی ، بلکہ سکوت اختیار فرمایا، "اور یہ مسلم ہے کہ امام أبو داؤد جس پ سکوت اختیار فرمائیں وہ روایت صالح الاستدلال ہے"، اور صالح مسلم اور سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :"وصالح من رواة السنن ومسلم" عرف الشذی ج ۱ ص ۳۵۶ یعنی صالح سنن اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اگر یہ ضعیف ہوتے تو یہ حضرات ان کی روایات نہ لیتے یا ان پر جرح کرتے۔

بہر حال! محدثین کی اتنی بڑی جماعت کے نزدیک جب صالح مولی توأمة ثقہ ہیں تو اس کے مقابلہ میں امام نووی کا امام احمد کے قول کو اس کے ضعیف ہونے کے استدلال میں پیش کرنا چنداں قابل توجہ نہیں، پوری جماعت کے فیصلے کو ترجیح ہوگی۔۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ان کا یہ ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدث خطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں :"المحفوظ :"فلا شئ لہ

ج۲ص ۲۸۵" یعنی اس میں محفوظ روایت "فلاشی لہٗ" کی ہے۔علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ
تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: "الصحیح: فلاشی لہٗ" حوالہ مذکورہ۔اور ابن ماجہ کی روایت جو اس
میں قوی ہے اس سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فلیس لہٗ
شیٔ" (ابن ماجہ ج ا ص ۱۱۰) جو بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض مخالفین یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسمیہ
طور پر یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تو اس پر
صحابہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا اور حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے پر
(نماز) مسجد میں پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے یعنی صلوٰۃ جنازہ فی المسجد
بالاجماع ثابت ہوئی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو آپ لوگ مسلم شریف کی مذکورہ حدیث سے یہ
ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسجد میں انکے جنازے کی نماز پڑھی بلکہ امہات
المؤمنین کے لئے بھی "یصلین" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد "دعا" ہے، وہ
بھی اس طریقہ پر کہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین خود تو اپنے حجروں میں
رہیں اور جنازہ ان کے سامنے سے گزارا جائے، چنانچہ الفاظ حدیث بھی اس پر دال ہیں،
چنانچہ امہات المؤمنین نے جو فرمائش کی اس کے الفاظ یہ ہیں: "أن یمروا بجنازۃ فی
المسجد یصلّین" یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد سے ہو کر گزارا جائے تا کہ
وہ ان کیلئے دعا کریں، انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مسجد میں جنازہ رکھا جائے اور اس پر نماز
جنازہ پڑھی جائے تا کہ ہم بھی نماز پڑھ لیں، بلکہ یہ فرمایا کہ صرف جنازہ حجروں کے سامنے

سے گزارا جائے تا کہ دعاء کریں، چنانچہ اس فرمائش کی جو تعمیل کی گئی اس کو حد
:"موقوف به على حجرهن" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جنا
انکے حجروں کے سامنے لایا گیا۔

نیز اگر امہات المؤنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین نے نماز جنازہ پڑھی ہوتی
ہر ایک کے حجرے کے سامنے علیحدہ علیحدہ لے جانے کی کیا ضرورت تھی (جس پر "عل
حجرهن" کا لفظ دلالت کرتا ہے) بلکہ سب مل کر نماز پڑھ لیتیں، اور پھر جب آگے چل کر اس
پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو صحابہ کا یہ فرمانا: "ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد"
(یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے)
دلالت کرتا ہے وہاں نماز نہیں پڑھی گئی تھی، صرف جنازہ مسجد میں لے جایا گیا تھا، ورنہ
نماز پڑھی گئی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس کے رد میں یہ فرماتے کہ آنحضرت ﷺ کے
زمانے میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بہر حال! یہ ایک سطحی اعتراض ہے
عدم تفقہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جس کیلئے الفاظ حدیث میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا ان کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی
جس سے "فلا اجر لهٔ" والی حدیث کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا جواب
ہے کہ ادھر ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم اس کے قائل بھی ہو کہ یہ حکم پہلے تھا اور
منسوخ ہوا، کیونکہ منسوخ ہونے کا حاصل تو یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا مگر بعد میں اٹھالیا گیا
اگر قائل ہو تو پھر کون سے نص کے ذریعہ؟

ثانیاً: آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل تمہارے نزدیک

منسوخ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

ثالثاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ بر بنائے عذر تھا اور عذر یہ کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے قریب دفن کرنا تھا اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں لے جانے بغیر چارۂ کار نہ تھا چونکہ اصل ممانعت تو جنازہ مسجد میں لے جانے کی ہے، جب بنابریں عذر اس پر عمل ممکن نہ رہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور توسیع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی۔

رابعاً: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے ناسخ بن گیا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت مل گیا تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازے کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ میگوئیاں کیوں کیں جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کئی سال بعد ہوئی، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا۔

فتاویٰ محمودیہ ج ۸ ص ۶۷۵ تا ۶۹۰

اتنے محقق، مدلل، مبرہن تفصیلی کلام کے بعد جس میں متقدمین و متاخرین اور فی زمانہ کے فریق مخالف کے ہر اشکال و اعتراض کو بالکفایت دور کیا گیا ہے، اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جنازے کی نماز بلا عذر شرعی کے مسجد میں پڑھی جائے، اور اس کے خلاف کرنے سے روگردانی ہوگی دلائل منصوصہ مرفوعہ سے، صحابہ کرام کے اجماع سے اور فقہاء امت کے اتفاق سے، جو سراسر "بل أضله الله على علم" کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم

پردے کا شرعی حکم

قرآنِ کریم، حدیث اور فقہ کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الخلق الله اجمعین محمد بن عبد الله النبی الامی العربی الامین وعلیٰ آله الطیبین الطاهرین وعلیٰ صحبه الکرام المنتجبین

پردہ کے ضروری ہونے کی وجہ

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا اور بدکاری کو حرام فرمایا ہے تو ان کے مقدمات اور دواعی کو بھی حرام فرمایا ہے جن میں بنیادی چیز بے پردگی اور بدنظری ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں نفسانی خواہشات اور جزئیات رکھے ہیں جن پر ہیجان کے وقت قابو پانا مشکل ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے اور ہیجانی کیفیت کے مضر اثرات اور خرابیوں سے بچانے کے لئے بے پردگی اور بدنظری عورتوں اور مردوں کے اختلاط میل جول سے روکنا از حد ضروری ہے اور معاشرے میں خرابی جب ہی پیدا ہوتی ہے کہ جب پردے میں ڈھیل اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط عام ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ
بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
o (النور آیت ۳۱،۳۰)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ
لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (احزاب ۵۳)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ
عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب ۵۹)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ
وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ
الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز
وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

اَلْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo (نساء آیت ۲۳)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (انعام ۱۵۱ کا حصہ)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب ۳۳)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (احزاب ۵۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ

”عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتی ابدلته ايمانا يجد حلاوته فی قلبه“ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۱)

نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیرے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔

”قال علی ابن طلحة عن ابن عباس امر الله نساء المؤمنين اذاخرجن من بيوتهن فی حاجة ان يغطين وجوههن من فوق

رؤسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة (تفسیر ابن کثیر الاحزاب ۵۹)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو اصالتاً گھروں میں رہنے کا حکم ہے اگر حاجت کے لئے مجبوراً نکلے تو چہرہ اور سر چھپا کر نکلیں راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کی مقدار کھولنے کی گنجائش ہے اور عبید سلمانی اس آیت کی تفسیر بتلاتے وقت اپنا چہرہ اور سر چھپا کر دکھلایا اور صرف بائیں آنکھ کو کھولے رکھا۔

شرعی پردہ عورت پر خود فرض ہے خاوند کے روکنے کے باوجود وہ شرعی پردہ فرض کرنا ضروری ہے

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○"

(نور آیت ۳۰،۳۱)

باقی یہ بات ضرور مان لینی چاہئے کہ اس کے بھائیوں سے بھی پردہ کرے، خاوند کے بھائیوں سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے بالخصوص جبکہ خاوند بھی حکم کرے، غرض یہ کہ غیر محرم لوگ خواہ وہ رشتہ دار ہوں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

شرعی پردہ عورت پر خود فرض ہے۔ خاوند کے روکنے کے باوجود وہ شرعی پردہ ضرور کرے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ. الآیۃ سورۃ الاحزاب باقی یہ بات اس کو ضرور مان لینی چاہیے کہ اس کے بھائیوں سے بھی پردہ کرے خاوند کے بھائیوں سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے بالخصوص جبکہ خاوند بھی حکم کرے۔ غرض یہ کہ یہ غیر محرم لوگ خواہ وہ رشتہ دار ہوں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ مفتی محمود ج ۱۰ ص ۳۲۲)

ہیجڑوں سے پردہ کرنا

حدیث میں ہیجڑوں سے بھی پردہ کا حکم ہے کیونکہ بغرض تلذذ خواہش نفسانی سے دیکھنا یا باتیں سننا، ہاتھ سے مس کرنا، چھونا، آنکھ، کان اور ہاتھ کا زنا ہے اور یہ صفت ہیجڑوں میں موجود ہے نیز بہت سے ہیجڑے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مردانہ قوت موجود ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۳۵)

وحدثنا عبد الله بن محمد قال حدثنا الحسن بن ابی الربیع قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الحسن قال كن اماء بالمدينة يقال لهن كذا وكذا يخرجن فيتعرض لهن

السفهاء فيؤذونهن .وكانت المرأة الحرة تخرج فيحسبون انها امة فيتعرضون لها فيؤذونها .فامر الله المؤمنات ان يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك ادنى ان يعرفن انهن حرائر فلا يؤذين " (احکام القرآن للجصاص ج۳ص۴۸۶)

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مدینہ میں کنیز خواتین بھی تھیں وہ جب باہر ...ن تھیں تو انہیں فلاں فلاں ناموں سے پکارا جاتا تھا ان کے سامنے کوئی بد تہذیب لوگ ...جاتے تو وہ انہیں اذیت پہنچاتا تھے اور جب کوئی آزاد اور خاندانی عورت باہر آتی تو وہ ...ے بھی کنیز گمان کر کے تنگ کرتے تھے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والیوں کو حکم دیا ...نے اوپر بڑی بڑی اوڑھنیاں ڈالا کریں تاکہ وہ پہچان لی جاویں کہ یہ آزاد اور خاندانی ...رتیں ہیں تو وہ اذیتوں سے محفوظ رہیں گی۔

...دہ کس عمر سے کس عمر تک کرنا چاہیے

جب لڑکی ۱۲ سال کی ہو جائے تو پردہ کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن ضروری یہ ہے کہ ...ے ۹ سال کی عمر سے پردے کا عادی بنایا جائے۔

"تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" (سورۂ نساء آیت ۱۴)

چہرہ کا پردہ

اس مسئلہ میں بعض اوہام ہیں جیسا کہ عام مشہور کیا گیا ہے کہ چہرے کا پردہ نہیں ہوتا اور خاتون اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے، سو یاد رہے کہ یہ ایک شیطانی خیال ہے اور وسوسہ ہے جو بعض بے دینوں اور شریعت سے لاعلم افراد نے لوگوں میں پھیلایا ہے، اس سلسلہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں،

"ان ام سلمة حدثته انها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة قالت فبينما نحن عنده أقبل ابن ام مكتوم فد خل عليه وذلك بعد ما امرنا بالحجاب فقال رسول الله ﷺ احتجبا منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعمىٰ لا يبصرنا ولا يعرفنا فقال رسول الله ﷺ اوعمياوان انتما؟ او الستما تبصر انه؟ ثم قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح (مشکوٰۃ شریف کتاب النکاح ص ۲۶۹، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۱)

"ایک بار ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ تشریف فرما تھیں اور جنابِ نبی کریم ﷺ بھی وہیں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے جو کہ نابینا صحابی ہیں تو جب وہ آنے لگے تو حضرت ﷺ نے دونوں بیبیوں سے فرمایا کہ آپ دونوں اندر چلی جائیں تو انہوں نے حضرت ﷺ سے کہا کہ یہ تو نابینا ہیں اور دیکھتے نہیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو؟ تم تو دیکھ سکتی ہو" اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ خواتین کو بھی غیر مرد کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور

قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خواتین کو چہرہ چھپانا ضروری ہے، اس کے علاوہ نہیں بھی حدیث اور فقہ کی کتب میں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنا ہیے عورت کا معنیٰ ہی پردہ ہے یعنی مکمل عورت پردہ میں ڈھکی ہوگی اور اس کا کوئی بھی عضو اہر نہیں ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ، قھستانی وغیرہ"

(الدر المختار ج۹ ص۶۱۰ فصل فی النظر والمس)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بدنظر کی بیماری رنظر کو غلط استعمال کرنے کی بیماری، نامحرم پر لذت نفسانی خواہش کی نظر سے دیکھنے کی اری کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شر ایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات و بادات کے انوار کو تاریک کر لیتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص۱۴۳)

ردہ کن کن لوگوں سے کرنا چاہیے

جو لوگ عورت کے لئے نامحرم ہیں اور جن سے پردہ فرض ہے وہ مندرجہ ذیل یں۔ خالہ زاد، ماموں زاد، چچا زاد، پھوپھی زاد، دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی، خالو، پھوپھا، وہر کا چچا، شوہر کا ماموں، شوہر کا پھوپھا، شوہر کا بھتیجا، شوہر کا بھانجا، اس طرح ہر وہ شخص س سے زندگی میں کبھی بھی نکاح کرنا جائز ہے اُن سب سے عورت کا مکمل پردہ کرنا فرض

ہے۔

حافظ ابن کثیر ’’ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِھِنَّ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo ‘‘ (احزاب آیت ۵۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

جاہلیت کے زمانے میں عورتیں باہر بے پردہ نکلا کرتی تھیں حق تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ وہ باپردہ نکلا کریں تاکہ وہ کافر عورتوں سے ممتاز رہیں۔ عورتوں کا بے پردہ بازاروں اور مجلسوں میں مردوں سے اختلاط زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا قرآن کریم نے جاہلیت کے اس ناپاک طرز معاشرت کو بڑی سختی سے منع فرمایا اس لئے کہ اس سے آوارہ لوگوں کو عورتوں پر آواز کسنے چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع ملتا تھا۔ اسلام چونکہ سراسر پاکی طہارت غیرت وعزت کا مذہب ہے اس لئے اس سے منع فرمایا۔ یورپ میں اور اس طرح جس ملک میں بے پردگی آئی اس ملک کی اخلاقی تباہی و بربادی ہوگئی، بے پردگی نے جسمانی زیبائش کا راستہ کھولا پھر اس نے بے حیائی کی صورت اختیار کر لی اب یورپ انسانوں کی سرزمین نہیں بلکہ وہاں کے ہوٹل کلب اور سیرگاہیں شہوت پرست حیوانوں کی چراگاہیں بن چکی ہیں۔

”عن عقبہ بن عامر ان رسول اللہ ﷺ قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار یا رسول اللہ افرأیت الحمو قال الحمو الموت“ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

”زاد ابن وھب فی روایتہ عند مسلم سمعت اللیث یقول

الحمو اخو الزوج وما اشبهه من اقارب الزوج ابن العم ونحوه ووقع عند الترمذی بعد تخریج الحدیث قال الترمذی یقال هو اخو الزوج کره له ان یخلو بها قال ومعنی الحدیث علیٰ نحو ما روی لا یخلون رجل بامراۃ فان ثالثهما الشیطان

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۱۵ قدیمی)

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله ولا ینبغی للمرأة الصالحة ان تنظر الیها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها کما فی السراج

(فتاویٰ شامی ج ۹ ص ۶۱۳ فصل فی النظر والمس)

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے لیکن چونکہ بیوی کے انتقال ۔ نکاح ختم ہوتا ہے لہٰذا اسے ہاتھ لگانا اور غسل دینا جائز نہیں اور شوہر کے مرنے پر نکاح ۔ آثار عورت پر باقی رہتے ہیں اس لئے شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کو ہاتھ لگا سکتی ۔ اور غسل بھی دے سکتی ہے۔

”عن ابن ابی ملیکة قال قیل لعائشة ان امرأة تلبس النعل فقالت لعن رسول الله ﷺ الرجلة من النساء رواه ابو داؤد“

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب اللباس)

مہ : حضرت ابن ملیکہ تابعی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے ں کیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایسی عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کے طور طریقہ اختیار کرے۔

عن ابی ھریرۃ قال لعن رسول اللہ ﷺ الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب اللباس)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مرد پر لعنت کی ہے جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کا لباس پہنے
جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کس قدر موجب فضیلت ہے لیکن ارشاد ہے کہ

"عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا رواہ ابو داؤد" (مشکوٰۃ ص ۹۶)

جناب نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد گرامی اس وقت فرمایا جب کہ آپ ﷺ خود بنفس نفیس مدینہ منورہ میں موجود تھے، مدینہ کی گلیوں اور وادیوں میں فرشتوں اور وحی کی آمد و رفت تھی، مسجدِ نبوی میں صفوف میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے پاک نفوس کھڑے ہوتے تھے اس وقت آپ نے فرمایا کہ عورتوں کی نماز میرے پیچھے پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ اپنے گھروں میں پڑھیں۔
آج ہم دیکھتے ہیں کہ مساجد میں عورتوں کے لئے مخصوص جگہ بنائی جاتی ہے، تراویح میں

عورتیں شریک ہوتی ہیں، کیا یہ نبی کریم ﷺ کے اس قول کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

"من قعدت او كلمة نحوها منكن فی بیتها فانها تدرك عمل المجاهدين في سبيل الله تعالى" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۹)

یعنی جو تم میں سے اپنے گھر میں بیٹھی رہے اس کو جہاد جیسا اجر ملے گا۔

شوہر کے بھائی یعنی دیور سے بھی پردہ فرض ہے

عن عقبة بن عامر ان رسول الله ﷺ قال ايا كم والدخول على النساء فقال رجل من الانصار يا رسول الله افرأيت الحمو قال الحمو الموت (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۷، ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس جانے سے بچو انصار میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے ارشاد فرمایا دیور تو موت ہے۔

ابن وھب نے مسلم کی روایت میں زیادہ کیا ہے کہ میں نے لیث سے سنا وہ فرماتے تھے دیور شوہر کا بھائی ہے جو شوہر کے عزیز و اقارب میں سے ہے اس کے مشابہ ہو چچا ہو بیٹا وغیرہ اور حدیث کی تخریج کے بعد ترمذی نے کہا کہا جاتا ہے کہ شوہر کے بھائی کے لئے مکروہ ہے کہ اس کے ساتھ (بھائی کی بیوی کے ساتھ) تنہائی میں رہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

نے ایک کنبہ کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر ایک گھرانہ سارا ایک ساتھ رہتا ہو تو اس میں کیسے رہا جائے؟ فرمایا:

باقی بدن تو چھپا رہتا ہی ہے چہرہ بھی سامنے نہ کریں اور نہ نامحرم کے ساتھ خلو کا موقع آنے دیں ہنسی مذاق سے پوری احتیاط کریں یہ اس وقت جب مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ میں چلی جائیں یا پردہ درمیان میں لٹکا دیں اگر گنجائش ہو تو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں، یہ تو عورتوں کے حق میں ہے، مردوں کے حق میں ی ہے کہ جب مکان میں جائیں اطلاع کر کے جائیں اور نگاہ نیچی رکھیں اور ہنسی مذاق، نیز خلوت سے پوری احتیاط رکھیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱۹ ص ۱۷۷)

شرمگاہ کی حد

"(وینظر الرجل من الرجل الیٰ ماسوی العورة وقد بینت فی الصلوٰة) ان العورة مابین السرة الی الرکبة والسرة لیست بعورة خلافا لما یقوله ابوعصمة و الشافعی والرکبة عورة خلافا للشافعی ثم حکم العورة فی الرکبة اخف منه فی الفخذ و فی الفخذ اخف منه فی السوءة حتیٰ ینکر علیه فی کشف الرکبة برفق وفی الفخذ بعنف وفی السوءة بضرب ان اصر وفی القهستانی والاولی تنکیر الرجل لئلا یتوهم ان الثانی عین الاول (مجمع الانهر ج ۴ ص ۲۰۰)

مرد، مرد کی طرف دیکھ سکتا ہے سوائے شرمگاہ کے اور شرمگاہ کی حد یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک اور ناف اور گھٹنا شرمگاہ میں شامل ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

اگر اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے قصداً دیکھنا جائز نہیں

زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے پردہ

عن عائشة قالت ما نظرت او ما رأیت فرج رسول الله ﷺ قط

(مشکوٰۃ ج۲ص۲۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی جناب نبی کریم ﷺ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا (اور نہ ہی حضرت ﷺ نے)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ میاں بیوی تنہائی میں ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ تو سکتے ہیں لیکن نہ دیکھنا اولیٰ ہے۔ (سکن الانھر علیٰ مجمع الانھر ج۲ص۵۳۹)

علاج کی نیت سے پردے والے حصے کو دیکھنا

جسم کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے اگر اس میں کوئی تکلیف زخم وغیرہ ہو اس کو دیکھے بغیر علاج ناممکن ہو تو شدت ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت کھولنا جائز ہے عبارت ملاحظہ فرمائیں،

"وفی نظر الطبیب الیٰ موضع المرض ضرورة فیرخص لهم احیاء لحقوق الناس ودفعا لحاجتهم فصار کنظر الختان .....الخ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۶ص۱۷ کتاب الکراہت فصل فی النظر والمس)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج (فتاویٰ شامی ج ۹ ص ۶۱۳ فصل فی النظر والمس)

مخلوط نظام تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ میل جول اور بے تکلفی کی وجہ سے آپس میں دوستی عشق بازی اور بدکاری جیسے گھناؤنے افعال سرزد ہوتے ہیں اس لئے مخلوط نظام تعلیم سے بچنے کی پوری کوشش ہونی چاہیے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ایک کامل واکمل نظام حیات فراہم کرتا ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ عورت کو تو خصوصی مقام دیا گیا ہے اسلام سے پہلے اس کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اس مقام کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے ان کو پردے اور حجاب کا حکم دیا گیا جو اسے پہلے حاصل نہیں تھا۔ دور حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلاف فطرت کام کرتا ہے اس لئے عورتوں کی حقوق کی آڑ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جبکہ بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کے اس ناپاک طریقے کو عام کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے

”وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ“ (احزاب آیت ۳۳)

اور گھروں میں ٹھہری رہو زمانہ جاہلیت کی زیب وزینت اور نمائش ترک کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا''

(سورۂ احزاب آیت ۳۲)

اے نبی ﷺ کی عورتوں تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔

ان آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت پردہ کے ساتھ بھی باہر نکلنا اچھا نہیں ہے جہاں تک ہو سکے نامحرم کی نظروں سے لباس بھی پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

جنابِ نبی کریم ﷺ کے دور سے چند حکایات

بخاری شریف میں ہے کہ بی بی صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں غلطی سے پیچھے رہ گئی تھیں، سب لوگ آگے نکل گئے، آپ ﷺ نے ایک صحابی کو مقرر کیا تھا صفوان ذکوانی کو کہ قافلے سے گری پڑی چیزیں کہیں ہوں تو وہ اٹھاؤ، اس نے آ کے دیکھا تو بی بی صاحبہ بیٹھی ہوئی ہے اس نے دیکھتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ حضرت بی بی عائشہ اکیلی بیٹھی ہے اور بی بی صاحبہ کو کہا کہ آپ کجاوے پہ بیٹھ جائیں اور اپنی چادر اس طرح کجاوے کے آگے ڈالی اور کہا کہ اس کو پکڑیں تا کہ ہاتھ ہاتھ سے نہ لگے اور بی بی فرماتی ہیں'' فخمرت وجهی بجلباب ''(بخاری ج ۲ ص ۵۹۴) میں نے کپڑے میں اپنا چہرہ ڈھانکا حالانکہ وہ ام المؤمنین ہیں قیامت تک مسلمانوں کی ماں

ہے، قرآن کہتا ہے ''وازواجه امهات'' لیکن پردہ اور حجاب میں کسی قسم کی رعایت نہ کی۔

ایک اور واقعہ حیران کن ہے، سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو اسلام کا سپہ سالار ہے اور عشرہ مبشرہ میں سے ان دس صحابہ میں سے ہے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کے بھائی تھے سعد ابن عتبہ اور اس نے ایک کنیز کا ذکر کیا تھا کہ اس کے ساتھ میں نے جاہلیت میں بدفعلی کی ہے اگر یہ بچہ دے تو وہ تیرا بھتیجا ہوگا۔ اس زمانے میں زنا سے بھی بچے ثابت ہوتے تھے جیسے نکاح سے ہوتے ہیں، جیسے جاہلی دور تھا وہ حرام وحلال ختم کر چکے تھے وہ بچہ پیدا ہو گیا تھا اور بڑا ہو رہا تھا لیکن مسلمان کمزور تھے سعد ابن ابی وقاص کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمانوں کو زور مل گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بچہ میرے بھائی کا ہے اور یہ مجھے دے دیا جائے اُس نے وصیت کی ہے اس کے اور رشتہ دار جو تھے وہ اکڑ گئے نہیں یہ تو ہماری کنیز سے پیدا ہوا ہے تم کون ہو تمہارا بھائی کون ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جھگڑا پیش ہوا آپ نے سعد کو کہا کہ زنا سے اولاد ثابت نہیں ہوتی لیکن آپ نے بچے کو غور غور سے دیکھا تو وہ تھا زانی کی طرح تو ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ تم اس کو بھائی نہ سمجھنا یہ شریعت کے احترام سے ہم نے ان کا نسب زنا سے نہیں مانا تو بخاری میں اس طرح آتا ہے کہ اس نے بی بی کو اور بی بی نے اس کو مرتے دم تک نہ دیکھا کیونکہ جائز نہیں تھا وہ پرایہ آدمی تھا اور غیر آدمی کا کسی خاتون اجنبیہ کو دیکھنا ناجائز ہے۔

قال جاءت امرأة الى النبى ﷺ يقال لها ام خلاد وهى متنقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبى ﷺ جئت تسئلين عن ابنك وانت متنقبة فقالت ان أرزأ ابنى فلن أرزأ حيائى

فقال رسول الله ﷺ ابنک له اجر شهيدين قالتولم ذاک يا رسول الله قال لانه قتله اهل الكتاب"

(سنن ابی داؤد ج اص ۳۵۹ کتاب الجہاد باب فضل قتل الروم علی غیرھم من الامم)

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقع پر شہید ہو گیا تھا ام خلاد چہرے پر نقاب لگا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کی یہ حالت دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو؟ ام خلاد نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو ہرگز میں اپنی شرم کھول کر مصیبت زدہ نہیں بنوں گی، یعنی حیا کا چلا جانا ایسی ہی مصیبت زدہ کرنے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا مر جانا، حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ پردہ ہر حال میں ضروری ہے۔

"عن جابر ان رسول الله ﷺ رای امرأة فاتی امرأته زينب وهی تمعس منيئة لها فقضی حاجته ثم خرج الی اصحابه فقال ان المرأة تقبل فی صورة شيطان وتدبر فی صورة شيطان فاذا ابصر احدكم امرأة فليأت اهله فان ذلک يرد ما فی نفسه. (مسلم ج اص ۴۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک ایک عورت پر پڑی اس کے بعد آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت زینب کے پاس تشریف

لائے اور وہ کسی چمڑے کو رگڑ رہی تھیں حضرت نے اپنی حاجت پوری فرمائی پھر صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عورت آتی بھی شیطان کی شکل میں ہے اور جاتی بھی شیطان کے روپ میں ہے پس جب بھی تم کسی عورت کو دیکھو وہ فوری اپنی بیوی کے پاس جائے پس ایسا کرنے سے جو کچھ اس کے جی میں ہوگا اتر جائے گا۔

"عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب"

(ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰ باب ماجاء فی کراھیۃ دخول عن المغیبات)

شریعت میں عورتوں کو پردہ کرنے کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ مکان سے باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گزرتی ہے وہ ایسی ہے یعنی بدکاری کی دعوت دینے والی۔

"عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ نھی ان یمشی یعنی الرجل بین المرأتین " (سنن ابی داود ج ۲ ص ۳۷۵)

عورتیں کناروں میں چلیں مرد درمیان میں چلیں عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر نہ چلیں، اس روایت سے واضح ہوا کہ اگر راستہ چھوٹا ہو تو حکم یہ ہے کہ عورت دیوار کے ساتھ چمٹ کر کھڑی ہو جائے ایک دوسرے سے بچ کر نکلیں۔ جب مردوں کے ساتھ چلنا منع ہے تو دیگر حالتوں میں اختلاط کیسے جائز ہوگا؟

" واما الثالث وهو بيان ما يحل من ذالک وما يحرم للمرأة من المرأة فكل ما يحل للرجل ان ينظر اليه من الرجل يحل للمرأة ان تنظر اليه من المرأة وكل مالا يحل له لا يحل لها فتنظر المرأة من المرأة الىٰ سائر جسدها الا مابين السرة والركبة...

لا يجوز لها ان تنظر مابين سرتها الى الركبة الا عند الضرورة"

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۴ کتاب الاستحسان)

کسی عورت کے لئے دوسری عورتوں کے سامنے بھی بالکل برہنہ ہونے کی اجازت نہیں ہے چاہے نہانے کے لئے ہو یا کسی اور وجہ سے ،نوعمر خواتین کا اس طرح جلسہ کرنا کہ ان کی تعلیمی ترقی ہو اور غیر تعلیم یافتہ خواتین میں تعلیمی خواہش پیدا ہو، اور اظہار مافی الضمیر کا سلیقہ ان خواتین کو آ جائے یہ اچھی بات ہے مگر اس میں فتنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے ،اسی طرح دوسری جگہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ان کی آواز سنی جاتی ہے مکالمے نظم ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں خود عورتوں کا جمع ہونا بھی مستقل ایک فتنہ بن جاتا ہے، یہاں اس بات کو بھی یاد رکھا جائے کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے لہٰذا یہ بھی درست نہیں ہے اگر شوہر اجازت دے تو اس سلسلے میں وہ بھی معتوب ہوگا۔

اجنبیہ کو بطور نوکر رکھنا جائز تو ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ اجنبیہ کو نہ رکھا جائے لیکن اگر کبھی اس کی نوبت آئے تو درج ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے۔

(۱) خاتون ملازمہ کو پابند کیا جائے کہ وہ ایسا لباس پہن کر کام میں مصروف رہے جس

میں سرتا پاؤں پورا جسم چھپا ہوا ہو۔

(۲) مردوں کے سامنے حتی الامکان نظریں نیچی رکھیں اور مرد بھی ضروری بات کرتے وقت نظریں نیچے رکھے۔

(۳) تنہائی اور خلوت سے بالکل اجتناب کیا جائے۔

(۴) مواقع تہمت اور ایسے اسباب سے اجتناب کیا جائے۔

(۵) مردوں کے سامنے آنے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے اور اگر بحالتِ مجبور آنا بھی پڑے تو چہرے کو چھپا کر آئے۔

(۶) جب گھر کے مردوں سے بات کرے تو آواز دھیمی رکھے۔

(۷) کام کرتے وات ایسے زیورات بھی نہ پہنے جن کی آواز سے لوگ متوجہ ہوں۔

(۸) گھر کے مردوں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں۔

وما علینا الا البلاغ

زکوٰۃ کے نوے (۹۰) اہم مسائل

(۱) زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب، مسلمان، عاقل، بالغ، مرد، عورت پر سال گزرنے کی شرط کے ساتھ فرض ہے

(۲) نابالغ بچوں، مجنون، کافر اور زر خرید غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳) سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ

(۴) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ

(۵) نقدی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت، مال تجارت کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہے۔

(۶) سونا چاندی خواہ کسی بھی صورت میں ہو خام ہو یا زیورات ہوں، زیورات چاہے تجارت کی غرض سے رکھے ہوں یا استعمال کے ہوں پہننے کے لئے، جب نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ فرض ہے۔

(۷) نقدی کا حساب بھی ساڑھے باون تولے چاندی کے حساب سے لگایا جائے گا یعنی جب نقدی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ نصاب ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

(۸) ہیرے جواہرات، قیمتی پتھروں کو شریعت مال نہیں مانتی

(۹) اس لئے اگر کسی کے پاس کروڑوں روپے کے ہیرے یا قیمتی پتھر ہوں جو اس نے زینت اور جائداد کی طرح رکھے ہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

(۱۰) لیکن اگر کسی کی تجارت کا دارومدار انہی ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھروں پر

اور وہ منڈی میں لے جا کر اس کی خرید وفروخت کرتا ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہے۔

(۱۱) جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے

(۱۲) یعنی زکوٰۃ میں ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا، سونا، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا۔

(۱۳) اگر اس کی قیمت دی جائے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمت خرید کے حساب سے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

(۱۴) زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا چالیسواں حصہ دینا ضروری ہے۔

(۱۵) رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس اعتبار سے بہتر ہے کہ اس مہینہ میں ایک عمل کا ثواب ستر (۷۰) گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

(۱۶) اگر سال مکمل ہونے میں کچھ مہینے ابھی باقی ہوں اور رمضان آگیا تو پسندیدہ بات یہی ہے کہ زکوٰۃ رمضان المبارک میں ادا کردیں۔

(۱۷) لیکن اگر سال رمضان سے دو یا تین مہینے پہلے مکمل ہوگیا ہے تو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ آپ رمضان کا انتظار کریں اور اپنی زکوٰۃ روکے رکھیں، ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۸) زکوٰۃ کی ادائیگی کبھی بھی اندازے سے نہیں ہوتی۔

(۱۹) زکوٰۃ حساب کے ساتھ فرض ہے، ایک ایک چیز کا علیحدہ سے حساب لگا کر زکوٰۃ دینا

ضروری ہے۔

(۲۰) اگر مال ہے تو مکمل طور پر حساب کتاب ضروری ہے، سونا چاندی وغیرہ کی صورت میں ان کو تلوا کر یا تو اسی میں سے زکوٰۃ دی جائے۔

(۲۱) اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر اس کی رقم کا حساب لگا کر پھر زکوٰۃ کا مال اس میں سے الگ کر لیا جائے۔

(۲۲) زکوٰۃ کے لئے مستحق کا تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔

(۲۳) بعض لوگ جان چھڑانے کے لئے کسی بھی جگہ زکوٰۃ جمع کرادیتے ہیں جو کہ ایک غلط عمل ہے۔

(۲۴) ایسا کرنے سے زکوٰۃ ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ مستحق کا حق ہے اور غیر مستحق کے ہاتھ زکوٰۃ کا لگنا زکوٰۃ ضائع ہونے کے مترادف ہے۔

(۲۵) آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنے گھر میں کام کرنے والیوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔

(۲۶) اس میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ مستحق بھی ہے یا نہیں کیونکہ اکثر کے پاس اتنا سونا ہوتا ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن لوگ اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں۔

(۲۷) لیکن اگر وہ مستحق ہیں تو اُن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۲۸) ایسے اداروں میں زکوٰۃ دینا جن کے یہاں ''بلا امتیازِ مذہب'' کی بنیادوں پر کام کیا جاتا ہے جائز نہیں ہے۔

(۲۹) کیونکہ زکوٰۃ کے احکام میں یہ سب سے اہم اور ضروری بات ہے کہ آپ کی زکوٰۃ

مسلمان کو ہی ملے۔

(۳۰) اگر آپ کی زکوٰۃ کسی غیر مسلم جیسے ہندو، عیسائی، یہودی، مرزائی وغیرہ کو دی گئی تو وہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

(۳۱) یا اگر اس رقم سے اُن کے خورد ونوش اور دیگر ضروریات پوری کی گئیں تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور وہ آپ کے ذمہ پر باقی رہے گی۔

(۳۲) دور حاضر میں زکوٰۃ کے بہترین مصارف دینی مدارس ہیں جہاں لاکھوں کی تعداد میں طلبہ دینی علوم حاصل کرتے ہیں، ایسی صورت میں اپنی زکوٰۃ کی رقم دینی مدارس میں جمع کروانا اس وقت بہترین اور محفوظ عمل ہے۔

(۳۳) واضح رہے کہ یہی قران کریم کا بھی حکم ہے۔

(۳۴) زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق کو زکوٰۃ میں دی جا رہی ہے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو، جیسے کسی ملازم کی تنخواہ وغیرہ۔

(۳۵) اگر زکوٰۃ کو اس کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۳۴) وہ لوگ جن سے آپ پیدا ہیں جیسے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اوپر تک ان کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

(۳۵) اسی طرح جو آپ سے پیدا ہیں جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور نیچے تک ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

(۳۶) اگر وہ غریب اور تنگ دست ہیں تو آپ پر ان کی مدد کرنا واجب ہے۔

(۳۷) حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے "وفی مالک حق سوا الزکوٰۃ" کہ

تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی اور حقوق ہیں ان کو زکوٰۃ کے علاوہ مال سے پورا کرو۔

(۳۸) شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

(۳۹) بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، خالو، خالہ، ماموں، ممانی، چچا، پھپی، ساس اور سسر کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

(۴۰) زکوٰۃ میں مالک بنانا ضروری ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے اس کو مالکانہ طور پر دے دی جائے جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۴۱) کسی مردے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی جیسے زکوٰۃ کی رقم سے کفن وغیرہ خریدا یا قبر بنوائی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۴۲) اسی طرح مسجد کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کے لئے چیزیں بھی نہیں خریدی جاسکتیں۔

(۴۳) نہ ہی قرآن کریم کے نسخے، سپارے یا دیگر دینی کتب زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر مسجد میں رکھی جاسکتی ہیں۔

(۴۴) اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر رقم ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۵) یاد رہے کہ نقد مال بھی چاندی کے حکم میں ہے۔

(۴۶) سامان تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۷) سونے اور چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ فرض ہے۔
خواہ وہ زیور، برتن، اصل زری اور سونے اور چاندی کے بٹن وغیرہ جو کپڑوں میں لگے ہوئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۸) پہننے کے کپڑے خواہ کتنے بھی زیادہ ہوں اور کتنے ہی قیمتی ہوں اُن پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴۹) اگران کپڑوں میں سونا اور چاندی کا کام ہوا ہے تو اس پر حساب کے مطابق زکوٰۃ ضروری ہے۔

(۵۰) مثلاً اگر کسی کے پاس ۸۰ تولہ چاندی ہے اور کپڑوں میں بھی ۲۰ تولے چاندی لگی ہوئی ہے تو اب یہ شخص ۱۰۰ تولہ چاندی کی زکوٰۃ ادا کرے گا اسی طرح سونے کا حساب بھی لگایا جائے گا۔

(۵۱) اگر کسی کے پاس بہت ساری اشیاء ہیں جیسے سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت وغیرہ اور ان میں سے کوئی بھی چیز نصاب کو نہیں پہنچ رہی تو ایسی صورت میں ان سب کو ملا کر دیکھا جائے گا، اگر ان سب کو ملا کر مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی بن جائے تو پھر زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم بنی تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۵۲) اگر ہر مال یعنی سونا، چاندی، نقدی اور مالِ تجارت سب کے سب نصاب کو پہنچ رہے ہیں تو سب کی زکوٰۃ الگ الگ حساب کر کے دی جائے گی۔

(۵۳) کارخانوں اور ملوں وغیرہ میں جو مشینیں استعمال ہوتی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(۵۴) لیکن ان مشینوں سے جو بھی مال تیار کیا جاتا ہے اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

(۵۵) فیکٹریوں، کارخانوں اور ملوں میں جو خام مال، سامان تیار کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

(۵۶) اگر کسی کے پاس وسیع وعریض کتب خانہ ہے جس میں لاکھوں کی کتابیں ہیں اور وہ اس کے ذاتی مطالعہ کی ہیں تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(۵۷) اگر یہ کتابیں تجارتی غرض کے لئے ہیں یعنی ان کتابوں کی مستقل خرید وفروخت ہوتی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۵۸) کسی ایک مستحق کو اتنا مال دیا کہ وہ بھی صاحب نصاب ہو گیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۵۹) بصورتِ دیگر لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، نصاب سے کم مال دینا بغیر کراہیت کے جائز ہے۔

(۶۰) اگر صاحبِ نصاب چاہے تو کسی سال کی پیشگی زکوٰۃ بھی دے سکتا ہے ایسا کرنا جائز ہے۔

(۶۱) لیکن اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر اندر اس کے مال میں اضافہ ہوا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ مستقل طور پر ادا کرنی ہوگی۔

(۶۲) اگر کسی شخص نے اپنے مال کا کچھ حصہ جو نصاب سے زیادہ ہے کسی کو قرض دیا ہوا ہے تو اس قرض دیئے ہوئے مال کی زکوٰۃ یہی شخص ادا کرے گا، جس نے قرض دیا ہے اگر چہ وہ رقم ابھی اسے واپس نہ ملی ہو۔

(۶۳) اگر کسی مالدار شخص نے کسی کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دی اور بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص کافر تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، دوبارہ ادا کرنا پڑے گی۔

(۶۴) اگر کسی مالدار کو یہ علم ہوا کہ اس نے اندھیرے میں یا اور کسی مغالطہ کی وجہ سے جو زکوٰۃ ادا کی ہے وہ اس نے اپنے بیٹے، بیٹی، ماں، باپ، بیوی یا شوہر یا پھر کسی سید (بنو ہاشم) کو دے دی ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں

(۶۵) پہلی یہ کہ اگر اس نے دینے سے پہلے تحری (سوچ بچار) کی تھی تو زکوٰۃ کا اعادہ نہیں ہوگا۔

(۶۶) لیکن اگر ایسی ہی بغیر کسی سوچ بچار یا تحقیق کے دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری ہے۔

(۶۷) ایسے پلاٹ یا دوکان جو کہ کسی شخص نے کچھ پیسے بچا کر لیا ہے اور اس سے کوئی تجارت نہیں کرتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں آئے گی چاہے وہ کتنے ہی ہوں۔

(۶۸) لیکن اگر کسی کا کام یہی ہے کہ وہ پلاٹ یا دوکان خریدتا ہے اور بیچتا ہے اور اسی سے اس کا کاروبار چلتا ہے تو اس صورت میں سال مکمل ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۶۹) اگر کسی شخص کے پاس بہت سارے مکان ہیں اور وہ ان کو کرائے پر چلاتا ہے تو مکان چاہے کتنی بھی مالیت کے ہوں ان کی اصل رقم پر کوئی زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

(۷۰) لیکن ان مکانات سے جو کرایہ حاصل کیا جاتا ہے اگر سال گزرنے کے بعد وہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۷۱) اگر کسی کو انعام کے نام پر زکوٰۃ کی رقم دی تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ جس کو انعام دیا جا رہا ہو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہو۔

(۷۲) اسی طرح کسی غریب مستحق یا اس کے بچوں کو عیدی اور تحائف وغیرہ میں بھی زکوٰۃ کی رقم صَرف کی جا سکتی ہے۔

(۷۳) زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

(۷۴) لیکن اگر جس علاقے میں انسان خود رہتا ہے وہاں کے لوگوں کی حاجت روائی کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم بچتی ہے تو اسے دوسرے شہر بھیجا جا سکتا ہے۔

(۷۵) بنو ہاشم یعنی ''سید'' کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، جو دی گئی وہ باطل ہے دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

(۷۶) خاتون کا مہر لاکھ، دو لاکھ، دس لاکھ یا بیس لاکھ جتنا ہو جب وہ نصاب کو پہنچ گیا ہو اور وہ اس خاتون کو مل بھی گیا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ خاتون کے ذمہ ہے۔

(۷۷) لیکن اگر مہر ابھی خاوند نے ادا نہیں کیا ہے اور خاتون جب چاہے گی اس سے لے لے گی تو اب اس مال کی زکوٰۃ خاوند ہی کے ذمہ ہے۔

(۷۸) اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی وہ خاوند ہی کی ملکیت میں ہے اور خاتون کے پاس نہیں گیا ہے اور وہ اس کی مالک نہیں بنی ہے۔

(۷۹) یاد رہے خاتون مہر کی مالک صرف نام رکھنے سے نہیں بنتی، مالک تب بنے گی جب رقم اس کی ملکیت میں دے دی جائے گی۔

(۸۰) **بھیڑ، بکری اور دنبہ کی زکوٰۃ کا طریقہ کار :**

زکوٰۃ میں سال سے کم عمر کا بچہ دینا جائز نہیں ہے۔ ۴۰ سے کم جانوروں پر زکوٰۃ نہیں فرض ہوگی۔

(۸۱) ۴۰ جانوروں پر ایک (۱) جانور دیا جائے گا ۱۲۰ تک۔

(۸۲) ۱۲۱ جانوروں پر دو (۲) جانور دیئے جائیں گے ۲۰۰ تک۔

(۸۳) ۲۰۱ جانوروں پر تین (۳) جانور دیئے جائیں گے ۳۹۹ تک۔

(۸۴) ۴۰۰ جانوروں پر چار (۴) جانور دیئے جائیں گے ۵۰۰ تک۔

(۸۵) ۵۰۰ جانوروں کے بعد ہر سو جانوروں پر ایک جانور بڑھتا جائے گا۔

(۸۶) **گائے، بیل، بھینس کی زکوٰۃ کا طریقہ کار :**

زکوٰۃ میں ایک سال کا جانور دینا ضروری ہے اور ۳۰ جانوروں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۸۷) ۳۰ جانوروں پر وہ بچہ دیا جائے گا جس کا ایک سال مکمل ہو چکا ہو۔

(۸۸) ۴۰ جانوروں پر وہ بچہ دیا جائے گا جس کے دو سال مکمل ہو چکے ہوں۔

(۸۹) ۶۰ جانوروں پر دو (۲) ایسے بچے دیئے جائیں گے جن کا ایک سال مکمل ہو گیا ہو

(۹۰) ۶۰ کے بعد ہر دس جانوروں کے اضافہ پر نصاب بدلتا جائے گا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

لا قوة إلا بالله

بدعتیوں کے بارے میں دوٹوک فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ بر صغیر پاک وہند میں بہت سے ایسی مساجد جن میں بریلوی مکتب فکر کے افراد فریضہ امامت سرانجام دیتے ہیں۔ اور عموماً درجہ ذیل عقائد ونظریات کے حامل ہیں۔

۱۔ تمام انبیاء واولیاء بالخصوص آنحضرت ﷺ ہر وقت، ہر جگہ حاضر وناظر اور عالم ما کان وما یکون یعنی علام الغیوب ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ کو انسان اور بشر کہنا گستاخی وبے ادبی ہے بلکہ آپ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے ہوئی۔

۳۔ غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز مثلاً گیارہویں شریف وغیرہ حلال وطیب اور ان کا کھانا باعث اجر وثواب ہے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کائنات کے مشکل کشا اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ ہمارے غوث الاعظم، فریاد رس اور دستگیر ہیں۔

۵۔ دیوبندی، تبلیغی جماعت وہابی، شافعی، مالکی، حنبلی، وغیرہ حتیٰ کہ بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کے امام (معاذ اللہ) گستاخ، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان میں

سے کسی کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔

بلکہ بقول احمد رضا خان بریلوی جو شخص دیوبندیوں اور وہابیوں کے کفر میں شک کرے یا کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر ہے۔جیسا کہ اعلیٰ حضرت کے فتاوئ اور متعدد کتب مثلاً احکام شریعت، فتاویٰ افریقہ اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ اس پر شاہد ہیں) چنانچہ ان میں اکثر متعصب بریلوی حضرات، دوران ایام حج وعمرہ بھی اپنی نمازیں بغیر جماعت الگ سے پڑھتے ہیں۔اور مسلمانان عالم کے ہمراہ حرمین شریفین کے ائمہ کرام کی اقتداء نہیں کرتے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا درج بالا یا اس جیسے دیگر بے شمار عقائد فاسدہ باطلہ شرکیہ رکھنے اور سینکڑوں اقسام کی بدعات قبیحہ کے مرتکب اشخاص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

نیز اداشدہ نمازوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تبلیغ واصلاح کی نیت سے ان لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل اور مدلل جواب دے کرامت مرحومہ کی رہنمائی فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

السائل محمد جمیل رحمانی عفی عنہ راولپنڈی

ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

الحمد للہ رب العالمین وصل اللہ علی رسو له الکریم و نبیه الامین و علی آله و اصحا به اجمعین ،اما بعد !

فا عو ذ با للہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (سورۃ یوسف۱۰٦)

اور ایمان نہیں لاتے اکثر یہ اللہ تعالیٰ پر مگر ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔

یعنی منہ سے سب کہتے ہیں کہ خالق مالک سب کا وہی ہے پھر اوروں کو پکڑتے ہیں یعنی حاجت روا، کارساز اور مشکل کشا۔حق تعالیٰ پر ایمان تب معتبر ہے جب اس کے ساتھ بدعت کا ارتکاب نہ ہو یہ دونوں حقیقتیں مسلمہ ہیں اور اس پر صدہا نصوص کتاب وسنت کے شواہد ہیں، اگر کوئی شخص حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لاتے ہوئے حق تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس کا شریک ٹھراتے ہوں تو یہ شخص مشرک ٹھرتا ہے اور اس پر شرک کے احکام نافذ ہونگے۔نزول قرآن کے وقت تین فرقے ایسے موجود تھے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو خداوندی صفات واختیارات میں شریک ٹھہراتے تھے۔مثلاً یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ فرشتوں کو نہایت عقیدت ومحبت میں خدا کی صفات واختیارات میں شامل کرچکے تھے۔ جنہیں قرآن کریم نے ببانگ دھل کفار اور جہنمی کہا۔واضح رہے کہ یہ لوگ کبھی بھی اپنے آپ کو کافر یا مشرک نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے عقائد واعمال میں چونکہ شرک آچکا تھا اس لئے

قرآن نے کہا۔

" لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ "(سورۂ مائدہ،۷۳)

یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے پکے کافر ہو چکے ہیں اور یہ سب کچھ وہ عقیدت و محبت کے بہترین عنوان سے کرتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو انبیاء کو اللہ کے بندے اور رسول کہنے سے انہیں بے ادبی کا مرتکب سمجھتے تھے۔

" لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا "

(سورۂ نساء۱۷۲)

ترجمہ : اور ہر گز عار نہیں سمجھیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ اللہ کے مقرب فرشتے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور جو کوئی اس کی بندگی کو عار سمجھے اور تکبر کرے پس وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ واضح رہے کہ زمانہ حال میں مبتدعین کے یہاں عقائد میں شرک او ربہت ساری وجوہ سے ارتکاب کفر بلکہ ان کی بدعات ہی مکفرات ہیں، کیونکہ بدعت کی دو قسمیں اہل اللہ کے ہاں معروف ہیں ایک مفسقہ جس کے کرنے سے بندہ فاسق ہوتا ہے۔ اور دوسری مکفرہ جس کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وقعہ بیان کیا ہے کہ۔ انہوں نے حبشہ میں ایک چرچ دیکھا تھا، جس میں مورتیاں نصب تھیں۔ یہ واقعہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کو بیان کیا

فقال رسول اللہ ﷺ اولئک قوم اذا مات فیھم العبد الصالح او

الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا وصوّروا فیه تلک الصور اولئک شرار الخلق عند الله (بخاری ج ۱ ص ۶۲)

جناب نبی کریم ﷺ مرض الوفات میں چہرے سے بار بار چادر اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے،

"لعن الله الیهود والنصاریٰ اتخذو اقبو ر انبیاء هم مسا جد"

(بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۷۷)

کبھی آپ ﷺ فرماتے تھے

"قاتل الله الیهود اتخذو اقبور انبیاء هم مسا جد.

پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

لعنة الله علی الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائهم مساجد"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۶۲)

بلکہ جو پانچ مورتیاں سورۃ نوح میں ذکر ہوئی ہیں

"وقالو الا تذرن الهتکم ولاتذرن ودّا وّلا سوا عا ولا یغوث ویعوق ونسرا"

وهی اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیه السلام فلما هلکوا اوحی الشیطان الی قومهم ان انصبوا الی مجالسهم التی یجلسون فیها انصابا وسموها باسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا هلک اولئک ونسخ العلم عبدت (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۶)

یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگ تھے جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم میں آ کر وسوسہ ڈالا کہ ان کی مجالس میں ان کی مورتیاں نصب کر واور انکوان کے نام سے پکارو تو قوم نے ایسا ہی کیا مگر ان کی پرستش نہ کی گئی مگر بعد میں جب ان کی نسل آئی اور علم سلب ہو گیا تو ان کی پرستش کی جانے لگی۔

عن محمد بن قيس ويغوث ويعوق ونسرا قال كانو قوما صالحين بين آدم ونوح وكان لهم اتباع يقتدون بهم فلما ماتوا قال اصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم لو صورناهم كان اشوق لنا الى العبادة اذا ذكرناهم فصوروهم فلما ماتوا وجاء اٰخرون دب اليهم ابليس فقال انما كانوا يعبدونهم وبهم يسقون المطر فاعبدوهم،

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۶ سورۂ نوح آیت ۲۳)

محمد ابن قیس سے منقول ہے کہ یغوث، یعوق اور نسر تینوں حضرات حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے مابین زمانہ کے نیک لوگ تھے ان کے کچھ پیروکار بھی تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے جب یہ بزرگان فوت ہو گئے تو ان کے مریدوں نے سوچا کہ اگر ہم ان کی مورتیاں بنالیں پھر ان کو یاد کریں تو عبادت میں ہمیں زیادہ لذت ملے گی پس انہوں نے ان کی مورتیاں بناڈالیں جب یہ لوگ بھی فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والی نسل کو شیطان نے گمراہ کر دیا اور کہا کہ تمھارے آباء واجداد انہیں کی پرستش کرتے تھے اور انہیں سے بارش طلب کرتے تھے پس تم لوگ بھی ان کی پوجا کرو۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگ درگاہوں میں

حاضر ہوتے ہیں اوران کی تعظیم کر کے انہیں اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے ذرائع سمجھتے ہیں یہ کفاراور مشرکین کی ایک واضح مثال ہے

سورۂ یونس کی آیت

”وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ “(سورۂ یونس آیت ۱۸)

ترجمہ : اور یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو جو نہ ضرر دے سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یہی ہمارے سفارشی ہونگے اللہ کے ہاں آپ فرمادیجئے تم بتانا چاہتے ہو اللہ کو ایسی چیزیں جن کو وہ جانتے تک نہیں آسمان وزمین میں وہ پاک ہے شریک سے اور وہ بلند وبرتر ہے کسی کی شرکت سے۔

امام رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں

”ونظیره فی هذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقادانهم اذا عظموا قبورهم فانهم یکونون شفعاء لهم عند الله (تفسیر کبیر ص ۲۲۷ جلد ۶ آیت ۱۸)

اور اس کی مثال اس زمانے میں بہت سارے لوگوں کا بزرگان دین کی درگاہوں کا تعظیم کرنا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگوں کی درگاہوں کی تعظیم کرنے سے وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی بنیں گے۔غور کرلیا جائے کہ زمانہ حال کے مبتدعین اوران کے

عقائد واعمال، امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک وہی ہیں جو مشرکین کے عقائد واعمال تھے۔

اور جو آیات ان کے رد میں نازل ہوئی تھیں وہ ان ہی پر منطبق ہورہی ہیں۔

واضح رہے عبادت کرنا بغیر اسباب وسائل کے دنیا سے جانے والے بزرگوں سے مدد مانگنا یا ان کو پکارنا شرعاً برابر جرم ہے چنانچہ مفسر اہل سنت علامہ الوسی بغدادی رحمہ اللہ تفسیر روح المعانی میں سورۂ کہف کی آیت

''افحسب الذین کفر وا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء''

کی تفسیر میں لکھتے ہیں

''ای معبودین او انصارا لھم من بأسی''

(روح المعانی ج ۱۶ پارہ ۱۶ آیت ۱۰۲)

یعنی بزرگان دین کو اولیاء سمجھنا اس معنی میں کہ یہ ان کی عبادت کرتے تھے یا یہ ان کو چھڑاتے تھے ہماری تکلیفوں سے۔ گویا عبادت کرنا یا ان سے مدد مانگنا دونوں برابر کا شرک اور کفر ہے۔ شرک اور کفر کرنے سے ایمان چلا جاتا ہے۔ اور آدمی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے مشہور مبتدع عالم مولوی نعیم الدین مرادآبادی مولوی احمد رضا خان کی ''کنز الایمان'' کے ''خزائن العرفان'' میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ : شرک سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : مرتد کی سزا قتل ہے (خزائن العرفان ص ۱۴)

شرک اور کفر کی ایک مثال اس فرقے کا انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار ہے واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت بالخصوص آنحضرت ﷺ کی قطعی اور یقینی ہے۔ مگر یہ

مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کی کسی کو بشر کہنے سے اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔اس لیے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کو بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے،۔اور حقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

(خزائن العرفان حاشیہ ص ۵)

جبکہ قرآن وحدیث اور چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ انبیاء کی بشریت کا قطعی ثبوت اور شاہد عادل ہے۔مفسر اہل سنت آلوسیؒ نبی ﷺ کے بشر کے منکر کو کافر قطعی کا فتویٰ ولی الدین عراقی (صاحب مشکوۃ) سے نقل کرتے ہیں۔

"وقد سئل الشیخ ولی الدین العراقی هل العلم بکونه ﷺ بشرا ومن العرب شرط فی صحة الایمان او من فروض الکفایة؟ فأجاب بأنه شرط فی صحة الایمان ثم قال فلو قال شخص اومن برسالة محمد ﷺ الی جمیع الخلق لکن لا أدری هل هو من البشر او من الملائکة او من الجن ،اولا أدری هل هو من العرب او العجم فلاشک فی کفره لتکذیبه القرآن وجحده ما تلقته قرون الاسلام خلفا عن سلف وصار معلوما بالضرورة عند الخاص والعام ولا اعلم فی ذلک خلافا فلو کان غبیاً لا یعرف ذلک وجب تعلیمه ایاه فان جحده بعد ذلک حکمنا بکفره .انتهی

(تفسیر روح المعانی ص ۴۴۳ پارہ ۴ آیت ۱۶۴)

یعنی شیخ ولی الدین عراقی (صاحب مشکوۃ) سے پوچھا گیا تھا۔ کہ یہ جاننا کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے اور عربی تھے ایمان کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟ پس انہوں نے جواب دیا کہ ایمان کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو رسول مانتا ہوں کائنات کیلئے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ کہ آپ بشر ہیں یا فرشتہ (نور) ہیں؟ اور میں یہ بھی نہیں جانتا یا آپ جن ہیں؟ آپ عرب میں سے تھے یا عجم میں سے؟ پس ایسے شخص کے کفر میں شک نہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کی تکذیب کرتا ہے اور قرون اسلام سے ہر دور اور ہر زمانہ میں یہ معلوم اور خاص و عام کے ہاں ضروری رہا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں" **ولا اعلم فی ذلک خلافا** " پس اگر کوئی نالائق ایسے سمجھتا ہے تو اسے سمجھانا ضروری ہے پھر بھی نہ مانے تو" **حکمنا بکفرہ** " کیا اتنی واضح عبارات اور اہل سنت کے متفق علیہ فتاوی کے باوجود ابنیاء کے بشر کے منکر کو مسلمان کہا جائے گا۔ یہاں تو خود حکم کفر موجود ہے۔ اس لئے بشر کا منکر قطعا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ فتاوی سات سو سے زیادہ فقہاء محدثین اور مفسرین کے یہاں مسلمہ موجود ہے یہ کہنا ہی صحیح نہ ہوگا کہ ہم نے تکفیر کی بلکہ پہلے تکفیر ہو چکی ہے،، ہم نے صرف اس کی وضاحت کی ہے، واضح رہے کہ فریق مخالف کے کفر کے تمام نظریات علی التحقیق آنحضرت ﷺ کے انکار کی وجہ سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ کو بشر نہیں مانا گیا، تو نور ماننا پڑا (جبکہ نور کے سلسلے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے) دیکھئے مولانا عبدالحئ رحمہ اللہ کی کتاب " الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ "

نور ہر جگہ ہوتا ہے تو حاضر ناظر پیش آیا اور جب ہر جگہ موجود ہونگے تو جانتے بھی ہونگے تو علم الغیب کا عقیدہ پیدا ہوا اور جب غیب دان ہونگے۔ تو کچھ کرتے بھی ہونگے تو مشکل کشا اور حاجت روا کا نظریہ بن گیا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب یا حاضر ناظر سمجھنا کفر کا عقیدہ ہے فتاویٰ قاضی خان، بزازیہ، شامی، ہندیہ، فتح القدیر، نہر اور بحر سب میں موجود ہے۔

خلاصہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

یکفر فی الفتاوی لانہ یعتقد ان الرسول والملک عالم با لغیب "

یعنی رسول یا فرشتہ کو غیب دان جاننے ولا کافر ہے

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۸۵ ج ۴ کتاب الفاظ الکفر

لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی یعلم الغیب (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۵)

اگر اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر شادی بنا رہا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور کافر ہو جاتا ہے اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی عالم الغیب ہوتا ہے۔

وبالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل وعلا لا یعلمہ احد من الخلق اصلا.

(روح المعانی ۲۰ ص ۲۹۹، نمل آیت ۶۵)

عقائد کفریہ کی چند مزید مثالیں

مثلاً یہ کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ میں اور آنحضرت ﷺ شیخ عبد القادر جیلانی میں متجلی ہیں یہ ایک عقیدہ ص ۱۶، فتاویٰ افریقہ۔

(۱) شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے کندھے پر پاؤں رکھا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں نبی اقدس ﷺ شب معراج میں سیدنا غوث الاعظم کے دوش مبارک پر پائے انور رکھ کر براق پر تشریف فرما ہوئے۔ چنانچہ وہ شعر لکھتے ہیں۔

تھا تمہارا دوشِ اطہر زینۂ پائے پیمبر
جب گئے عرش بریں پر المدد یا عبد القادر

(فتاویٰ افریقہ ص ۴۹)

اس لئے زمانہ حال کے مبتدعین جو عقائد میں مندرجہ بالا عقائد کے مرتکب ہیں اور جو ان مبتدعین کو اپنے دینی پیشوا سمجھتے ہیں بوجہ اعتقاد کفریہ کے ان کی اقتداء میں مسلمان مؤحد کی نماز نہیں ہوسکتی۔

فقہ حنفی کے متون اربعہ میں سے مشہور متن الاختیار میں ہے،

واما المبتدع فكان ابو حنيفه لا يرى الصلوة خلف المبتدع. قال ابو يوسف اكره ان يكون امام القوم صاحب بدعة او هوى

(متن الاختیار ج ۱ ص ۵۸)

بلکہ فتح القدیر میں ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

وروی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان الصلاة خلف اهل الاهواء لا تجوز (فتح القدیر ج ا ص ۳۰۴)

واضح رہے کہ یہ جو زور سے درود پڑھتے ہیں اس کا ثبوت خیر القرون میں نہیں تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زور سے درود پڑھنے والوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔

واما رفع الصوت عند الذكر فان كان المراد من الذكر الدعاء فانما كره ذلك لان الاصل فى الادعية الخفية ولان فيه رياء ولاجل هذا كره رفع الصوت بالتسبيح والتهليل.

وان كان المراد منه الوعظ فليس المراد رفع الواعظ صوته عند الوعظ وانما المراد رفع بعض القوم صوته بالتهليل والصلاة على النبى عند ذكره. وقد صح (انه) قيل لابن مسعود رضى الله عنه ان قوما اجتمعوا في مسجد يهللون ويصلون على النبى عليه السلام ويرفعون اصواتهم فذهب اليهم ابن مسعود وقال ما عهدنا هذا على عهد رسول الله وما اراكم الا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخرجهم من المسجد. (محیط برہانی ج ۶ ص ۴۱، ۴۲)

بلند آواز سے ذکر کرنا اور ذکر سے مراد دعا ہو تب بھی مکروہ ہے اور اور دعا مراد نہ ہو تب بھی مکروہ ہے ریاء کاری کی وجہ سے اسلئے کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اسی وجہ سے تسبیحات اور کلمہ کے ذکر میں بھی آواز کا بلند کرنا مکروہ ہے۔

اور اگر رفع صوت سے وعظ ونصیحت کرنے والے کی آواز مراد لی جائے تو وہ بلا شبہ جائز ہے، بعض لوگوں کا کلمہ اور درود پاک کو بلند آواز سے پڑھنا پیغمبر علیہ السلام کے تذکرہ کے وقت؛ یہ مکروہ ہے اور صحیح اثر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر کلمہ و درود کا ورد کر رہے ہیں بلند آواز سے یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ فوری تشریف لے گئے ان کے پاس اور فرمایا: ہم (صحابہ) نے جناب نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تو ایسا کام نہیں کیا، مجھے تم لوگ بدعتی لگ رہے ہو پس مسلسل آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال باہر کیا۔

یعنی مسجد میں زور سے درود یا کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنا ناجائز ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسوں کو مسجد نبوی ﷺ سے نکالا تھا۔

(فتاوی شام ج،۵ص ۲۵۵)

سو واضح رہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی پیغمبر یا نبی کو عالم الغیب سمجھنے والا یا حاضر ناظر سمجھنا یا انبیاء علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے اور کافر کی اقتداء میں مسلمان کی نماز نہیں ہوتی اور ایسی پڑھی جانے والی تمام نمازیں واجب الاعادہ ہیں اگر موقع ملا تو کسی مناسب موقع پر اس کی مزید تفصیل کر دی جائے گی اصلاح وتبلیغ کے لئے مشرک اور کافر کی اقتداء میں نماز پڑھنا کار دین نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مہذب بے دینی ہے جس سے صرف نماز نہیں بلکہ ایمان خطرے میں پڑتا ہے۔ پچاس دن بعد آٹھ ربیع الاول بروز پیر بمطابق ماہ اپریل پانچ سو ستر (۵۷۰) عیسوی کو صبح صادق کے وقت ابو طالب کے گھر میں ہوئی۔

(سیرت المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ ج ۱ ص ۴۹)

دوسرے قول کے مطابق نو ربیع الاول، بارہ ربیع الاول کا قول ضعیف اور متکلم فیہ ہے البتہ آپ ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاول کو ہے۔

وقال محمدبن اسحاق توفی رسول الله ﷺ لاثنتی عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الأول في اليوم الذي قدم فيه المدينة مهاجراً، واستكمل رسول الله ﷺ في هجرته عشر سنين كوامل، قال الواقدي وهو المثبت عندنا وجزم به محمد بن سعد كاتبه

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۵ جز ۳ ص ۱۸۰ (۲) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۸۶

والمقصود ان رسول الله ﷺ ولد عام الفيل على قول الجمهور فقيل بعده بشهر، و قيل باربعين يوماً، و قيل بخمسين يوماً و هو اشهر (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱۲)

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد ایک قول کے مطابق ایک ماہ بعد پیدا ہوئے ایک قول یہ ہے کہ چالیس دن بعد تشریف لائے اور ایک قول پچاس دن کا ہے اور یہ زیادہ راجح ہے۔

سوال ۳۔ میلاد منانا جائز ہے یا نہیں اور شریعت میں میلاد منانے کی کیا حیثیت ہے؟

جواب : آپ ﷺ کی پیدائش اور آپ کی پوری زندگی باسعادت اور باعث فرحت ہے تمام مسلمان آپ ﷺ کی صرف پیدائش نہیں بلکہ پوری حیات طیبہ سے خوش ہیں لیکن آپ

ﷺ کی ولادت پر جلوس نکالنا یا ہرا جھنڈا لیکر روڈوں پر نکلنا اور مساجد میں چراغاں کرنا اور محفلیں منعقد کرنا اور بڑی بڑی دعوتیں کرنا یہ سب کی سب باتیں بدعات اور خرافات ہیں اسلام میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چھ سو ہجری تک ان بدعات اور خرافات کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔ چھ سو صدی کے بعد اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر کوکبری نے ان بدعات کی بنیاد ڈالی، وہ محفل میلاد کی بڑی بڑی دعوتیں کیا کرتا تھا اور اس سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا اور یہ بادشاہ ہر سال ان خرافات پر لاکھوں روپے خرچ کرتا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنھایہ میں اس بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وکان یعمل المولد الشریف فی ربیع الاول و یحتفل به احتفالا هائلاً وکان مع ذالک شهماً شجاعاً فاتکا بطلا عاقلاً عالماً عادلاً رحمه‌الله و اکرم مثواه وقد صنف الشیخ ابو الخطاب ابن دهیه له مجلداً فی المولد النبوی سماه "التنویر فی مولد البشر النذیر" فاجازه علیٰ ذالک بالف دینار وقد طالت مدته فی الملک فی زمان الدولة الصلاحیه وقد کان محاصر عکا والیٰ هذه السنة محمود السیرة والسریرة قال السبط حکی بعض من حضر اسماط المظفر فی بعض الموالد کان یمد فی ذالک السماط خمسة آلاف راس مشوي وعشرة الاف دجاجة ومأة الف زبدیة وثلاثین الف صحن الحلوی ،قال وکان یحضر عنده فی المولد أعیان العلماء والصوفیة فیخلع علیهم ویطلق لهم ویعمل للصوفیة

سماعا من الظهر الیٰ الفجر ویرقص بنفسه معهم و کانت له دار ضیافة للوافدین من ایّ جهة علی ایّ صفة و کانت صد قا ته فی جمیع القرب والطاعات علی الحرمین وغیرهما ویفک من الفرنج فی کل سنة خلقا من الاساری حتیٰ قیل ان جملة من استفکه من ایدیهم ستون الف اسیر قالت زوجته ربیعه خاتون بنت ایوب وکان قد زوجه ایاها اخوها صلاح الدین لما کان معه علیٰ عکاقالت کان قمیصه لایساوی خمسه دراهم فعاتبته بذالک فقال لبسی ثوبا بخمسة واتصدق بالباقی خیر من ان البس ثوبا مثمنا وادع الفقیر المسکین وکان یصرف علی المولد فی کل سنة ثلاثمائة الف دینار وعلی دار الضیافة فی کل سنة مائة الف دینار وعلی الحرمین والمیاه بدرب الحجاز ثلاثین الف دینار سوی صدقات السر رحمه الله تعالیٰ وکانت وفاته بقلعة اربل واوصیٰ ان یحمل الیٰ مکة فلم یتفق فدفن بمشهد علی.

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۱۰۴)

الحاوی للفتاویٰ میں شیخ تاج الدین عمر بن علی مالکی رحمہ اللہ کا فتویٰ میلاد کی بدعت اور عدم ثبوت کے بارے میں منقول ہے جو قابل دید ہے علمائے کرام کی آسانی کیلئے من وعن نقل کیا جاتا ہے،

فانه تكرر سؤال جماعة من المباركين عن الاجتماع الذى يعمله بعض الناس فى شهر ربيع الاول ويسمونه المولد هل له اصل فى الشرع او هو بدعة وحدث فى الدين؟ وقصدوا الجواب عن ذالک مبيناً والايضاح عنه معيناً فقلت وبا لله التوفيق: لااعلم لهٰذا المولد اصلاً فى كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن احد من علماء الامة الذين هم القدوة فى الدين المتمسكون بآثار المتقدمين بل هو بدعة احدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الاكالون بدليل انا اذ ادرنا عليه الاحكام الخمس قلنا اما ان يكون واجبا او مندوبا او مباحا او مكروهاً او محرماً وليس بواجب اجماعاً ولا مندوبا لان حقيقة المندوب ما طلبه الشرع من غير ذم على تركه وهذا لم يأذن فيه الشرع ولا فعله الصحابة ولاالتابعون (ولا العلماء) المتدينون فيما علمت وهذا جوابى عنه بين يدى الله تعالىٰ ان عنه سئلت ولاجائز ان يكون مباحا لان الابتداع فى الدين ليس مباحا باجماع المسلمين فلم يبق الا ان يكون مكروها او حراماً

(الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۳ باب حسن المقصد فی عمل المولد)

بہت سارے حضرات نے ایک سوال بار ہا دریافت کیا کہ ربیع الاول کے مہینہ میں اجتماع کرنا اور اس اجتماع کو میلاد کا نام دینا، کیا شریعت میں اس کی کوئی حقیقت ہے؟ یا وہ بدعت ہے اور دین میں اضافہ ہے۔ اوران سائلین اس کے بارے میں بہت سلیس اور

جامع جواب طلب کیا مجھ سے۔

اللہ کی توفیق سے میں یہ کہتا ہوں: کہ اس میلاد اور محفل کی کوئی حقیقت بھی شریعت میں مجھے معلوم نہیں نہ کتاب اللہ میں نہ سنت رسول میں اور نہ ہی یہ عمل امت کے مجتہدین علماء سے ثابت ہے جو مقتداء ہیں اور متقدمین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں بلکہ یہ ایک واضح بدعت ہے جسے باطل پرستوں نے گڑھا ہے اور نفس پرستوں یعنی پیٹ پوجا کرنے والوں نے گڑھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو پانچ احکامات یعنی واجب، مستحب، پسندیدہ، ناپسندیدہ اور حرام کے سانچہ میں جانچا تو یہ بات سامنے آئی کہ بالاجماع یہ فعل واجب تو نہیں ہے اور نہ ہی مستحب اس لئے کہ مستحب اسے کہتے ہیں کہ جس کا شریعت نے ایسے انداز میں مطالبہ کیا ہو کہ اس کو چھوڑنے سے گناہ لازم نہیں آتا اور میلاد منانا وہ فعل ہے جس کی شریعت نے اجازت ہی نہیں دی اور نہ صحابہ کرام نے یہ فعل کیا اور نہ تابعین سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ علماء صالحین اسے جانتے ہیں۔ اگر اللہ بزرگ و برتر کے سامنے بھی مجھ سے اس میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو میں یہی جواب دوں گا کہ یہ بدعت ہے اور یہ انعقاد میلاد تب بھی جائز نہ ہوتا اگر اسے مباح مان لیا جائے اس لئے کہ اضافہ فی الدین مسلمانوں کے اجماع سے کبھی بھی مباح نہیں ہوسکتا پس احکامات میں سے صرف مکروہ اور حرام ہی بچا ہے۔

اس تسلی بخش جواب کے بعد کوئی گنجائش تو سمجھانے کی باقی نہیں رہتی مگر پھر بھی مزید تفصیل جاننی ہو تو الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۸۱ تا ۱۸۹ میں بہت ہی شیریں اور حرف آخر بحث موجود ہے۔

سوال نمبر۴　　محفل میلاد میں دعوت کرنا بڑی دھوم دھام سے اور اس دعوت کا کھانا یا شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب　　چونکہ محفلِ میلاد اس کی دعوت سب بدعات و رسومات باطلہ ہیں اس لئے ایسی محفل اور دعوت میں شریک ہونا یا دعوت کھانا جائز نہیں ہے ملاحظہ فرمائے علامہ شامی کی عبارت،

واقبح منه النذر بقرأة المولد فی المنایر مع اشتماله علی الغناء واللعب وایهاب ثواب ذلک الی حضرة المصطفیٰ ﷺ

(ردالمحتار ج۳ ص۲۹۲ مکتبہ رشیدیہ)

میں قبیح سمجھتا ہوں میلاد کے تذکرے پڑھنا جو موسیقی اور لہو ولعب پر مشتمل ہوں اور یہ سمجھنا کہ اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے۔

اور اعتصام میں ہے:

ومنها التزام الکیفیات والهیئات المعینة کالذکر بهیئة الاجتماع علی صوت واحد واتخاذ یوم ولادة النبی ﷺ عیدا وما اشبه ذلک.

(کتاب الاعتصام للشاطبی ج۱ ص۲۶، دار احیاء التراث العربی)

اور بری بدعتوں میں سے ہے کہ مخصوص کیفیتوں اور حرکتوں کو لازم کرنا جیسے سب جمع ہو کر ایک ہی آواز میں ذکر کرتے ہیں اور عید میلاد النبی منانا اور اس جیسی دیگر بدعات۔

سوال نمبر۵　　اگر کوئی شخص حضرت محمد ﷺ کی محبت کی وجہ سے محفل میلاد منعقد کرلے

اوراس کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے تو کیا ایسے شخص کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب چونکہ محفل میلاد خلاف شرع کام ہے اور خلاف شرع کاموں میں ثواب نہیں ملے گا اور جس چیز میں ثواب نہ ملے تو وہ ذریعہ نجات درکنار الٹا باعث عذاب اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے گی۔

فقالوا : انه يثاب علٰى صباحة نيته ويعاقب علٰى قباحة الابتداع كالصلوٰة في الاوقات المكروهة و كالصوم في يوم النحر في قول وفي قول آخر انه لاثواب له فيه اصلاً وهوا المختار عندي

(فیض الباری ج ۴ ص ۲۹۷ کتاب النکاح)

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حسن نیت سے بدعت گڑھ بیٹھا تو اسے حسن نیت کی وجہ سے ثواب ملے گا اور بدعت کی وجہ سے عذاب جیسے نماز پڑھنا مکروہ اوقات میں یا روزہ رکھنا یوم نحر میں یہ ایک قول ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اسے کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا اور یہی میرے نزدیک مفتیٰ بہ قول ہے۔

سوال نمبر ۶ بدعتی کی صحبت میں رہنا ان سے تعلقات رکھنا یا ان کے جلسے جلوس میں شریک ہوجانا ان سے دعا وسلام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

جواب بدعتی کیساتھ تعلق رکھنا اور ان سے دعا سلام رکھنا یا ان کے جلسے جلوس میں شریک ہوجانا کسی صورت میں جائز نہیں بدعتی کیساتھ میل جول سے سنت کی اتباع کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، چنانچہ ابونعیم رحمہ اللہ نے فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمائے ہیں بدعتی کی صحبت ایمان و آخرت کیلئے کتنی تباہ کن ہے، ملاحظہ فرمائیں،

پہلا قول

عن الفضیل بن عیاض من احب صاحب بدعة احبط الله عمله واخرج نور الاسلام من قلبه

(حلیۃ الاولیاء و تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جس نے بدعتی سے محبت کی اللہ اس کے اعمال ضبط کر لے گا اور نور اسلام اسکے دل سے نکال باہر کرے گا۔

دوسرا قول

من اعان صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام

(تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جس نے بدعت کی (بدعت کرنے میں) مدد کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی.

تیسرا قول

من جلس الی صاحب بدعة فاحذره ولا تامن صاحب بدعة علی دینک ولا تشاوره فی امرک ولا تجلس الیه فمن جلس الیه ورثه الله العمی (تلبیس ابلیس ص ۱۶)

جو بدعتی کی صحبت میں ہوتا ہو تو اس کی صحبت سے دور رہ اپنے دین پر بدعتی کو امین

نہ بنانا اور اپنے معاملوں میں اس سے مشورہ نہ کرنا اور نہ اس کے ساتھ مجلس اختیار کرنا پس جو بدعتی کے ساتھ اٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ اسے نابینا کر دے گا۔

چنانچہ کتاب الاعتصام میں ہے

ان الجماعة هی جماعة اهل الاسلام اذا اجمعوا علی امر فواجب علی غیرهم من اهل الملل اتباعهم وهم الذین ضمن الله لنبیه علیه الصلوٰة والسلام ان لا یجمعهم علی ضلالة فان وقع بینهم علی اختلاف فواجب تعرف الصواب فیما اختلفوا فیه.

(کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۴۳۰)

اہل اسلام کی جماعت وہ فرقۂ ناجیہ ہے جب ان کا کسی معاملہ میں اجماع ہو جائے تو امت پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کریں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے علوم کا ضامن بنایا ہے اس لئے وہ ایک ساتھ مل کر گمراہی میں جمع نہیں ہو سکتے پس امت میں اگر اختلاف ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ ان کے درمیان سے تفرقہ ختم کر کے صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی کریں۔

وایضا فان اهل السنة مامورون بعداوة اهل البدع وقد حذر العلماء من مصاحبتهم ومجالستهم (مختصر کتاب الاعتصام ص ۳۴)

اہل سنت اہل بدعت کو اپنے دین کا دشمن سمجھیں اور علماء کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے لوگوں کو ڈرائیں۔

چنانچہ دلیل الفالحین میں ہے لا یحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاثة

ایام کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں،

قال النووی فی هذا الحدیث هجران اهل البدع والفسوق ومنابذی السنة مع العلم وانه یجوز هجرانه دائماً والنهی عن الهجران فوق ثلاثة ایام انما هو فیمن هجر لحظ نفسه ومعایش الدنیا ،واما اهل البدع ونحوهم فهجرانهم دائما.

(دلیل الفالحین ج۱ص۳۱۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں اہل بدعت اہل فسق اور تارکین سنت کے بارے میں بھی تنبیہ ہے کہ ان کی ناراضگی دائمی ہوتی ہے اور ناراضگی سے نہی تین دن تک کی ہے وہ شخص اپنے نفس کیلئے اور کسب معاش کیلئے ناراضگی یا علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اہل بدعت کی علیحدگی دائمی ہے۔

سوال نمبر ۷ بدعت دنیا میں کیسے وجود میں آئی ہے اس کی وجوہات واسباب کیا ہے؟

جواب اس کی وجوہات چار ہیں یعنی چار وجوہ سے بدعت وجود میں آتی ہے

(پہلی وجہ) کہ مبتدع خود اپنی نفسانی خواہشات اور اتباع نفس کی وجہ سے بدعت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(دوسری وجہ) کوئی عالم خلاف شرع کام کرے اور عوام الناس اور نادان لوگ اس کو دین سمجھیں تو اسی وجہ سے یہ غلط عمل بدعت کی شکل اختیار کرتا ہے۔

(تیسری وجہ) عوام الناس خلاف سنت اور خلاف شرع کاموں میں مبتلا ہو جائے اور

عالم منع کرنے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو کچھ نہ کہے اور منع نہ کرے تو عوام الناس عالم کے سکوت کی وجہ سے اس کو اچھا سمجھتا ہے کہ یہ عمل صحیح ہے اگر یہ عمل غلط ہوتا تو علماء ضرور منع کرتے تو علماء کا خاموش ہوجانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بات صحیح ہے تو اس وجہ سے غلط عمل اور بدعت وجود میں آتا ہے۔

(چوتھی وجہ) ایک عمل بذاتہ اگر چہ صحیح ہو لیکن اس کو اعتقادی طور پر لازم سمجھا جائے جب کہ اس کو لازم سمجھنا غلط ہے تو اعتقادی وجہ سے مباحات بدعت کی شکل اختیار کرتے ہیں

البدعة تنشأ عن أربعه اوجه (احدها) وهو اظهر الاقسام ان يخترعها المبتدع (الثانی) ان يعمل بها العالم علی وجه المخالفة فيفهمها الجاهل مشروعة (الثالث) ان يعمل بها الجاهل مع سكوت العالم عن الانكار وهو قادر عليه فيفهم الجاهل انها ليست بمخالفة (الرابع) من باب الذرائع وهو ان يكون العمل فی اصله معروفاً الا انه يتبدل الاعتقاد فيه مع طول العهد بالذكری

(مختصر کتاب الاعتصام ص ۹۷)

سوال نمبر ۸ کیا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور بعض کتابوں میں بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا گیا ہے۔؟

جواب جن کتابوں میں بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا گیا ہے اس سے مراد بدعت فی العمل ہے نہ کہ بدعت فی الاعتقاد کیونکہ تمام فقہائے کرام صراحتاً لکھ چکے

ہیں کہ جس کا عقیدہ خراب ہو اور کفریہ عقیدہ رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، چنانچہ ہمارے زمانے کے مبتدعین کے عقائد بالکل کفریہ ہیں ان کو ان بدعتیوں پر قیاس نہ کیا جائے جن کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس لئے زمانہ حال کے مبتدعین کے پیچھے کفریہ عقائد رکھنے کی وجہ سے نماز پڑھنا باطل محض ہے اگر کسی نے پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی ایسی نماز کالعدم ہے دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔

وروی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله ان الصلاة خلف اهل الاهواء لا تجوز

(۱) فتح القدیر ج ا ص ۳۰۴
(۲) حلبی کبیر شرح منیۃ ص ۵۱۵
(۳) مراقی مع الطحطاوی ص ۱۶۵
(۴) فتاوٰی تاتارخانیہ ج ا ص ۶۵۱
(۵) حاشیہ حلبی علی تبیین الحقائق ج ا ص ۱۳۵
(۶) امداد الفتاح ص ۳۴۴
(۷) امداد الفتاح ص ۳۴۳
(۸) تبیین الحقائق ج ا ص ۱۳۴
(۹) البحر الرائق ج ا ص ۳۴۹
(۱۰) خلاصۃ الفتاوٰی ج ا ص ۱۴۹
(۱۱) بدائع الصنائع ج ا ص ۱۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور

ختمِ بخاری شریف

۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳ء

الحمد لله جل وعلا وصل الله وسلم علیٰ رسوله المصطفیٰ ونبيه المجتبیٰ وامينه علیٰ وحی السماء وعلیٰ آله النجبی واصحابه الاتقياء افضل الخلائق بعد الانبياء ومن بهديهم اقتدیٰ وبآثارهم اقتفیٰ من المحدثين والمفسرين والفقهاء الیٰ يوم الجزاء اما بعد!

وبسند المتصل منا الیٰ امير المومنين فی الحديث ابی عبد الله محمد بن اسماعيل البخاری الحافظ الحجة الثقة الذی ينظر نظيره فی ساعة الاطلاع لا سيما فی الاحاديث والاسانيد ولآثار، واتفق العلماء علیٰ وسعة علمه وطول الاطلاعه شرقا وغربا فی احاديث رسول الله صلی الله عليه وسلم رفعا ووقفا ،صحة ودراية ورواية من اخده الميمون رحمه الله الیٰ يومنا هذا وهكذا نرجو لسماحته هذه سعادة سرمدية الی يوم القيامة ان شاء الله تعالیٰ

قال رحمه الله باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيٰمة وان اعمال بنی ادم وقولهم يوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر حدثنا احمد بن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضيل عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله عليه وسلم كلمتا ن حبيبتان الی الرحمٰن خفيفتان علی اللسان ثقيلتان فی الميزان

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

کان البخاری حافظا و محدثا　　جمع الصحیح مکمل التحریر

میلاده صدق و مدة عمره　　فیها حمید و انقضیٰ فی نور

تنازع القوم فی البخاری و مسلم

و قالو زین ایهما یتقدم

وقلت ان البخاری قد قام صحة

کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

اهل الحدیث طویلة اعمارهم　　و وجوههم بدعا النبی منضرة

و سمعت من بعض المشائخ انهم　　ارزاقهم ایضا به متکثره

العلم للرحمن جل جلاله

وسواه فی جهالاته یتغمغم

ما للتراب وللعلوم وانما

یسعی لیعلم انه لایعلم

اللهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ

آل ابراهیم انک حمید مجید

اللهم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلیٰ

آل ابراهیم انک حمید مجید

دین اسلام، کامل واکمل، رشد وہدایت کا گنجینہ

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے عظیم احسان اسلام ہے ایمان ہے، دین محمدی، شریعت مصطفوی کے ساتھ سرفراز ہونا، متشرف ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے

''اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ''(سورہ رحمٰن)

''وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا''

(نساء آیت ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہے

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ''(آل عمران آیت ۱۵۹)

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''(انبیاء آیت ۱۰۷)

''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ''(قلم آیت ۴)

اور آپ ﷺ کی بعثت اور اس کے ساتھ دین کا تحفظ الی یوم القیامۃ

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ''(حجر آیت ۹)

اور آپ کا مبعوث الی الخلائق ہونا

''يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا''(اعراف آیت ۱۵۸)

''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ''(رحمٰن آیت ۳۳)

جناب رسول اللہ ﷺ کے شرائع، آپ کے علوم جو سنت کے مقام سے اور حدیث

کے مقام سے امم کے اندر معروف ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمائے ہیں

" وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "(آل عمران آیت ۱۰۱)

قیامت تک کے لئے اللہ نے یہ رشد وہدایت کے خزائن محفوظ فرمائے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی فقہ، کوئی زاویہ کسی بھی انسان کے لئے کسی بھی درجے میں مفید نہیں ہے

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "(آل عمران آیت ۱۹)

اور اس کے مقابلہ میں جتنی چیزیں ہیں خیالات ہیں، افکار ہیں، اوہام ہیں، بننے ٹوٹنے والے نظریات ہیں، وقتی حیلے ہیں، چالبازیاں ہیں، سب کے سب غلط دعوے ہیں، پروپیگنڈے ہیں اور سازشیں ہیں ان میں سے کسی کو بھی نظام کا مقام دینا نظام زندگی کی اہانت ہے

" وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ "(آل عمران آیت ۸۵)

قیامت کے دن اگر کوئی شخص ایمان کے بدلے میں اس پوری زمین کو سونے سے بھرنا چاہے۔

قرآن کریم میں ہے

" فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ "(آل عمران آیت ۹۱)

تو ہرگز قبول نہیں ہوگا کسی ایسے سے، دین چاہیے ایمان چاہیے

" اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ "(بقرہ آیت ۱۳۲)

دین ہر اعتبار سے کامل واکمل ہے، دین کے تمام پروگرام کمال عروج پر ہیں،

دین کے چھوٹے اور بڑے تمام احکام ایک جیسے محترم ہیں اوران سے ہدایت وابستہ ہے

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (مائدہ آیت ۳)

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو پسند کر کے نعمتیں پوری کردی ہیں ہر اعتبار سے کامل کر کے کائنات کو عطا فرمایا ہے، اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے

" يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ "(حجرات ۱۷)

صحابہ کرام کی جماعت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت ہے

اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے جناب نبی کریم ﷺ کو مخلصین مؤمنین کی جماعت عطا کرنا ہے خواہ وہ مہاجرین کی ہو یا انصار کی

"اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" یہ لوگ پکے مومن ہیں

" لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ" ان کی بخشش یقینی ہے

" وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ" (انفال آیت ۴) اعزاز واکرام ہمیشہ کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان سے ہر طرح راضی ہے اور ان کو بھی راضی کرنے کے لئے دنیا میں اسلام کی ہدایت اور آخرت میں نعمتیں عطا کی ہیں

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (مائدہ آیت ۱۱۹)

حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے متعلق اہلسنت والجماعت کا عقیدہ متفق ہے کہ

وہ خیر الناس ہیں

''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' (آل عمران آیت ۱۱۰)

اس آیت کا پہلا مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں

''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' (بقرہ آیت ۱۳)

ان کے بغیر ہدایت نہیں ہے

''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''اعمقهم علما'' بہترین علوم والے تھے ''اقلهم تكلفا'' تکلف ان میں نام کا نہ تھا، صحابہ ان کو کہتے ہیں جنہوں نے پیغمبر کی صحبت پائی قلبا یا رویۃ اعیانا۔

قول عبد الله بن مسعود كانوا ابر هذه الامة قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا. (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۷۹)

یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں صحابہ کرام کی جماعت اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل والے ہیں، اور سب سے زیادہ گہرے علوم والے ہیں اور تکلف بالکل نہ تھا۔

نہایہ میں ابن الاثیر اور اصابہ میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں

والاصح ما قيل في تعريف الصحابي انه من لقي النبي ﷺ في حياته مسلما ومات على اسلامه.

''من وجد صحبة رسول الله ﷺ وكان مومنا ومات على الايمان''

(نہایہ لابن اثیر، الاصابہ ج ا ص ۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غفران اور رضوان قطعی دلائل سے ثابت ہے، ان کے بارے میں اہلسنت کا یہی اعتقاد ہے قرآن پر ایمان رکھنے والوں کا وہ سب کے سب اہل ایمان ہیں اور اہل جنت ہیں اور صحابہ معیارِ دین ہیں، معیار ایمان ہیں، معیار حق ہیں، جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔

''وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' (بقرہ آیت ۱۳۷)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شرق وغرب میں اسلام پہنچایا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے ایسے عجائب حصوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نشانات ملے ہیں۔ پاکستان کے بانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے لکھا ہے کہ دیوار چین میں جو کام ہوتا رہا وہ یکدم بند کردیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہاں سے کچھ لوگ ملے ہیں جو عجیب الخلقت ہیں لیکن ہیں انسان اور وہ ایمان میں محمد رسول اللہ کا نام سن کر ہاتھ اٹھا کر سر پہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ تاجدار کی عظمت مسلم ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جانتے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام جب سنتے تھے تو ایک انگلی اٹھاتے کہ ایک اللہ کی طرف راہنمائی انہوں نے کی۔ اس زمانے میں چینی سلطنت تھی اس نے کہا کہ اس طرح مسلمانوں کا مذہب پورے عالم پر حاوی ہوجائے گا اس کو بند کردو مزید آگے مت بڑھاؤ کام بند کردیا گیا، یہ تحقیق مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے سد ذوالقرنین کے بارے

میں کی ہے اور ان کا مستقل مقالہ ہے سد ذوالقرنین پر اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

مذہبِ امام بخاری کے بارے میں ایک وضاحت

جن اور انس، کائنات اور جتنے خلائق ہیں ان سب کے لئے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور پیغمبر کا یہ پیغام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہنچایا، مجتہدین نے، فقہاءِ کرام نے اسے آگے بڑھایا، سمجھایا ان کے معانی بتائے حدیث کا وہ معنی اور مطلب معتبر ہوتا ہے جو فقیہ نے بتائے ہوں، محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمہ اللہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں جب اس مسئلہ پر کلام کرنے لگے کہ کیا عہدِ رسول میں نماز کے بعد ذکر بالجہر ہوتا تھا تو اس کی روایات بخاری شریف سے پیش کی، لیکن آگے ایک جملہ لکھا اور وہ یاد کرنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''لم یعرف احد من الفقهاء'' (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۴) کسی بھی فقیہ امت نے یہ بات نہیں کہی یہ کوئی مستقل عمل نہیں ایک وقتی چیز ہوگی۔ میں نے یہ عبارت باللفظ اپنے رسالے احسن العطر میں نقل کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز میں ایک حدیث کا مطلب بیان کیا اور فرمایا کہ ''وکذالک قال الفقهاء'' فقہاء کرام نے یہ بات کہی ہے اور آگے کہتے ہیں کہ

''وهم اعلم بمعانی الحدیث''

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۸ باب الجنائز مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید)

احادیث کے معانی اور مطالب وہ خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور بات امام ترمذی نے فرمائی ہے وہ یہ کہ اہل الحدیث آئمۃ الحدیث کے معنی میں ہے ترمذی میں بھی طلبہ کو دکھایا ہے اور تدریب میں بھی ہے

"اهل الحديث منهم يحى بن سعيد القطان واحمد بن حنبل"

(ترمذی ج ا ص ۳۸)

اہل الحدیث آئمۃ الحدیث کے معنی میں ہے کسی فرد کو اہل حدیث کہنا اور اس کو مذہب سمجھنا بظاہر دشوار ہے، سلف میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، سلف میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ کسی نہ کسی فقیہ اور کسی نہ کسی مجتہد کی طرف منسوب ہوتے تھے انہیں زندگی گزارنے میں سہولت ہوتی تھی اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو نقلِ مذاہب میں پورے عالم کے اندر امام ہیں اور ماہر تصور کیئے گئے ہیں، وہ تمام مذاہب نقل کرتے ہیں ابوزرعہ کا بھی نقل کرتے ہیں، اوزاعی کا بھی نقل کرتے ہیں، سفیانین کا بھی نقل کرتے ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اہل کوفہ کا نقل کرتے ہی ہیں، لیکن ترمذی رحمہ اللہ کی دونوں جلدوں میں امام ترمذی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ" **وهو مذهب امام البخاری**" یا "**مذهب اهل الحديث**" اس سے دو بہت ہی اہم باتیں معلوم ہوگئیں،

پہلی بات : امام بخاری رحمہ اللہ کا کوئی مستقل مذہب نہیں ہے وہ آئمہ کے مذاہب نقل کرتے ہیں جیسے مختارات وغیرہ اور جس امام کی دلیل کو قوی سمجھتے ہیں اس کی اقتداء کرتے ہیں۔امام ترمذی رحمہ اللہ تیسری صدی کی محدث ہیں اور امام بخاری کے سب سے بڑے شاگرد ہیں، دنیائے اسلام کے اندر امام بخاری کے علوم کی ترویج امام ترمذی نے کی ہے لیکن انہیں کبھی بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے استاذ و شیخ کا باقاعدہ کوئی مذہب ہے، جو لوگ آج کہتے ہیں کہ امام بخاری کا اپنا مذہب تھا غلط بیانی کرتے ہیں اتہام اور افترا کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نام پر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ آئمہ

متبوعین آئمہ مجتہدین اور فقہاء میں سے جس کی طرف چاہے میلان کرتے ہیں، امام بخاری کے سب سے زیادہ میلان اور رجحانات امام اعظم کی طرف ہیں کیونکہ جس نے بھی امام بخاری کو خود کی طرف منسوب کیا ہے وہ مناسبت کی وجہ سے ہی کہا ہے، مثلاً مالک کے بارے میں ان کا قول ہے "مالک الرجال والآسانید" کوئی شک ہی نہیں ہے "عجالہ" میں شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں " حفظ البخاری ومسلم مؤطا اولاً " بخاری اور مسلم نے مؤطا امام مالک پہلے یاد کی۔ قنوجی نے اپنی کتاب "الحطۃ فی ذکر صحاح ستۃ" میں شیخین کے بارے میں لکھا ہے "حفظا المؤطا معجلا" سب سے پہلے مؤطا یاد کی ہے، مؤطا کا فضل، شرف بہت بلند ہے اس موضوع پر "فضل المؤطا" مستقل کتاب لکھی ہے علوی مرحوم نے۔ امام بخاری کے شیخ اول علامہ حمیدی، امام شافعی کے مرافق سفر تھے تو شوافع کے مختارات ان کے پاس ہیں، لیکن ثلاثی جو بخاری میں ہیں وہ وکیع بن ابراہیم سے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور ثلاثی موجود نہیں ہے اور وکیع بن ابراہیم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں کیونکہ یہ بہت زیادہ معمر ہے بعضوں نے ابی یوسف بعضوں نے محمد لکھا ہے۔ علی التحقیق شیخ زاہد الکوثری نے احقاق میں کہا ہے کہ نہیں امام صاحب سے بھی ان کی صحبت ہے، اسی لئے امام العصر المحدث الکبیر والفقیہ علی الاطلاق آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ

"فموافقته للامام الاعظم ليس اقل مما وافق فيه الشافعي......."

(فیض الباری ج ۱ ص ۵۸)

یہ تلطف کے طور پر حضرت نے لکھا ہے۔

دوسری بات : اہل حدیث بھی کوئی مستقل مذہب نہیں رہا ہے اور نہ کبھی بھی دنیا میں اہل حدیث کے نام سے کوئی مذہب کسی نے سنا ہے۔

تقریباتِ ختمِ بخاری ! ایک اچھا اقدام

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام محدثین میں اور ان کی کتاب بخاری شریف کا مقام کتب اسلام میں کتب احادیث میں ایک مسلّم مقام رکھتا ہے

''کالشمس فی ضوء النھار و کالبدر الطالع فی اللیل''

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم کتاب جس کی آج ہمارے یہاں تکمیل اور اختتام کی تقریب ہے اس مناسبت سے یہ بعض گذارشات کی جاتی ہیں۔ کچھ عرصے سے ہمارے دوستوں کے یہاں ایک اچھا رواج چل پڑا ہے کہ آخری حدیث مجمع عام میں پڑھ لیتے ہیں اور اسی طرح اسے ختم بخاری یا دستار بندی یا دینی مدرسے کا سالانہ جلسہ کہتے ہیں یہ ایک اچھا کام ہے۔ بعض بزرگ، بوڑھے ہوگئے ہیں بیمار بھی ہیں وہ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں لیکن وہی بزرگ زمبیا (Zambia) میں اور افریقہ میں اور فلاں فلاں ملکوں میں ختم بخاری میں ہماری موجودگی میں جاتے رہے ہیں، تو کبھی کبھی بزرگانِ دین کی طبیعت بھی کمزور ہوتی ہے ان کو اختیار ہے اس طرح بات کرنے کا وہ کوئی ایسے ہمارے پابند نہیں ہیں میں خود اس سال یہاں بیٹھ کے پڑھانے کے لئے زیادہ تیار نہ تھا کیونکہ ہمارے ادارے پر جو تکالیف گزری ہے ہمارے جو طلبہ شہید ہوئے ہیں جامعہ کے مقتدر استاد شہید ہوئے ہیں وہ غم اور صدمات ایسے ہیں کہ

غم دِ سادر نہ دے چہ زوڑ شی

او مُدام دے نوے غم رازی زے تیرا ؤمہ

لیکن طالب علموں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کہ انہوں نے دس سال، بارہ سال علوم پڑھے ہیں اور در بدر خاک بر سر شرق اور غرب اور کہاں کہاں پہاڑوں اور جنگلوں سے اترے ہیں اور اِن تکلیف دہ فضاؤں کے ساتھ انہوں نے گزارا کیا اور حقیقت یہ ہے کہ دینی طلبہ اسلام کا بہت بڑا سرمایہ ہیں خدا تعالیٰ غرور نفس، تکبر اور دیگر تباہ کاریوں سے انہیں بھی اور ہمیں بھی محفوظ فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد عربی الرسول الہاشمی والنبی الخاتم الختم ﷺ کا یہ ایک عجیب معجزہ ہے کہ ہمارے جیسے کمزور اور بے سرو نام ادارہ اس میں بھی تین سو سے زائد طلبہ دورۂ حدیث میں ہوتے ہیں اور ہمارے ایک نہیں دو دارالحدیث لبالب بھرے ہوئے ہیں اب بھی آپ کے سامنے یہ جتنے نظر آرہے ہیں دور تک یہ سب دورہ حدیث کے طلبہ ہیں کچھ طلبہ ہمارے تخصص کے تیس پینتیس۔ ہمارے یہاں تخصص کے لئے ترمذی شریف جلد اول اور بخاری شریف جلد اول میں بیٹھنا لازم ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا نہیں ہوتا میں کمزور بھی ہوگیا ہوں اور کچھ بیماریاں بھی ہیں مصروفیات بھی ہیں اور ان کا حق بہت زیادہ ہے کہ پڑھنے کے بعد پھر بیٹھتے ہیں استادوں کی نگرانی میں تفقہ اور تبحر پیدا کرتے ہیں امت کی ایک بہت بڑی مشکل فتوے کی وہ حل کرنے کی صلاحیت اپناتے ہیں میں ان کو اپنے ترمذی اول اور بخاری اول میں بٹھاتا ہوں اور ان کی مناسبت سے الحمد للہ اس منہاج کا بھی کلام کرتا ہوں جوان کے لئے بہت سودمند ہوتا ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کی شرکت اور اعجاز کی وجہ سے وہ دورۂ حدیث کے تمام انعام واکرام کے مستحق

ہوتے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

عجیب بات ہے کہ کراچی کا ماحول پوری دنیا میں ایک ڈراؤنا ماحول ہے اور صف اول کے لوگوں کے لئے اکثر تکلیفیں بڑھائی جارہی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے علماء کو اور اہل حق طلباء کو جو استقامت دی ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ان کی استقامت کو سلام کرتا ہوں۔

اگرچہ بہت ہے جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم آذاں لا الہ الا اللہ

اور جس طرح اس سال ہمارا ادارہ نا انصاف اور ناعاقبت اندیشوں کی طرف سے نشانہ بنا، ہمارے جامعہ کے مقتدر استاذ مولانا عنایت اللہ مدظلہ نے مجھے اور طلبہ کو تسلی کی تقریر میں بہت زبردست بات کہی کہ جہاں کام ہوتا ہے وہیں کے لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ٹوٹے پھوٹے کام کو رواں دواں رکھے اور تا قیامت یہ چشمۂ فیضان جاری رہے اس سے مراد صرف احسن العلوم نہیں ملک بھر کے تمام مدارس اور جامعات اور دار العلوم اہلیان حق ہیں چھوٹے اور بڑے تمام مکاتب وہ سب ہمارے ہیں اور ہم ان کے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

طلبہ سے مراد صرف ہمارے طلبہ نہیں تمام اہل حق توحید وسنت کے جو حاملین ہیں اور متصفین ہیں ان کے تمام طلبہ علماء اور مدرسین وہ خونی ماحول سے گزرتے ہوئے اور براہ

راست ان کے اشخاص ان کے ذوات اور شدید قسم کے ظالمانہ بربریت کے حملوں میں ان کو نشانہ بنایا جس کا نہایت ہی اولوالعزمی سے انہوں نے مقابلہ کیا ہے میں دعا بھی کرتا ہوں اور تمام اہل حق مدارس کے علماء اور مدرسین طلبا ملازمین خادمین مہتممین سب کی خدمت میں ہدیہ تبریک اور اپنی طرف سے دو دستہ سلام پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آنے والے حالات بہتر بنائے۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

اور ہمارے لئے یہ کوئی اچھنبہ ماحول نہیں بلاشبہ ہمارے عزائم وہ نہ رہے جو ہمارے اسلاف کے تھے لیکن تخم وہی ہے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ولی اللہ بالوحی فی الارض والسماء جناب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال جو گزارے کس خندہ پیشانی سے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے مصائب و شدائد سہے اور کن کن حالات سے آپ ﷺ کے صحابہ اور آپ ﷺ کا ماحول گزرتا گیا اور آپ ﷺ منتظر تھے کہ جب خدا کہے تب میں یہاں سے جاؤں گا بغیر خدا کی وحی کے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تنگ آکر کہیں جانے لگے تو آپ ﷺ نے کہا مجھے عنقریب خدا تعالیٰ اجازت دیدے گا۔ اس میں ہمارے لئے بڑی موعظت نصیحت آموز قسم کے اسباق ہیں وہی مکہ آپ ﷺ ہی نے فتح فرمایا

”وَاَنْتَ حِلٌّم بِھٰذَا الْبَلَدِ“ (سورہ بلد آیت ۲)

”اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا“ (فتح آیت ۱)

علماء کہتے ہیں کہ فتح مبین سے مراد ابتداء فتح مکہ ہے اور انتہاء پورے عالم کی فتح ہے۔

دین اور دیندار طبقے کو پرایا سمجھنا کم عقلی ہے

دلیل و برہان سے آپ ﷺ نے پورے عالم کو فتح کیا ہے تعلیمات کی عظمت سے افعال کی شیرینی سے اقوال کی عظمت سے آپ ﷺ پوری دنیا کو پورے عالم کو فتح کر چکے ہیں

''هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ''(فتح آیت ۲۸،۲۹)

جولوگ علماء کو، طلبا کو، نمازیوں کو دینی حلقوں کو پرایہ سمجھتے ہیں مجھے ان کی عقل پر افسوس ہے ان کے شعور سے شکوہ ہے مذہب کے لوگ دین کے لوگ ہمیشہ سب کے اپنے لوگ ہوں گے۔ آپ لوگ خود غور کرلیں ہم نے نہ اعلان کیا نہ اشتہار نکالا نہ کوئی دعوت نامہ چھاپا لیکن جہان جمع ہو رہا ہے صرف بخاری شریف سے محبت بخاری شریف پڑھنے والے طلبا سے احترام عقیدت اور محمد عربی ﷺ کی شفاعت کے استحقاق پیدا کرنے کے جذبے سے سرشار ہو کر لوگ پہنچ رہے ہیں۔ مذہب سب پر حاوی ہوتا ہے، مذہب اور اہل مذہب کا محافظ اللہ تعالیٰ خود ہے، مذہب کبھی بھی دہشت گرد نہیں ہوتا، مذہب کبھی بھی انتہا پسند نہیں ہوتا

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا''(بقرہ آیت ۱۴۳)

اس امت کا نام ہے اعتدال والی امت میانہ روی اختیار کرنے والی امت

''وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ''(لقمان آیت ۱۹)

تمام امور میں اعتدال کی تاکید آئی ہے'' خیر الامور اوساطها'' اور چونکہ

شریعت کا پیغام عام ہے، تمام اقوام عالم کو محمد عربی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا پیغام دینا ہے، اس لئے تمام اقوام عالم کے ساتھ ہمیں رواداری رکھنی ہے اور انہیں دین سے آگاہ کرنا ہے اور یہ تب ہوگا جب ان کے ساتھ روابط اور مراسم ہوں اور اعتدال اور رواداری ہو۔

جہاد ایک وقتی ضرورت ہے، مجاہدین ایک وقتی تکلیف مصیبت اور اسلام اور مسلمانوں پر آئی بلاؤں کو ٹالنے کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کے میدان میں بیٹھتے ہیں اس لئے جب جہاد کی ضرورت پیش آتی ہے تو پھر نماز میں بھی تبدیلی پیدا کر دی گئی، آدھی جماعت پڑھے اور آدھی میدان میں رہے ورنہ یہ وہی نماز ہے جس میں بلاضرورت ہاتھ نہیں اٹھا سکتے مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ بلاضرورت ٹانگیں اٹھا لی جیسے سجدے کی حالت میں عوام اٹھاتی ہے اس سے نماز ساقط ہو جائے گی۔

لیکن یہی نماز مجاہدین میدان میں ہیں ان کو حکم یہ ہے کہ آدھی نماز پڑھے اور آدھی نماز میں یہ اٹھ کے جائیں میدان میں اور میدان میں جو دشمن کے مقابلے میں ہیں وہ آجائیں، تو نماز جو تھی پرسکون عبادت اطمینان سے لبریز عبادت جس کی روح ہی اطمینان اور سکون ہے نقل وحرکت منع ہے لیکن اس نماز کو بھی نیچے کر دیا گیا تاکہ جہاد کا پانسا کامیاب رہے۔ اہل علم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ چونکہ اتفاق سے مغرب کی سازش سے عراق میں بوسنیا میں، چیچنیا میں، فلسطین میں، افغانستان میں اور کسی حد تک کشمیر میں جہاد اور مجاہدین کو اسباب کے درجے میں جتنی پریشانی پیش آئی تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے جلدی تدارک فرمالیا اس لئے اہل دین، اہل ایمان اور اہل حق پر ہر وقت عرصۂ حیات تنگ کیا گیا لیکن اس سے

گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

اسلام کی تعلیمات ! امن، احسان، میانہ روی

اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے اسلام متوسط ماحول پیدا کرتا ہے جیسے اعلیٰ درجے کا اخلاق ہر جگہ امن ہر جگہ قرار وسکون موجود ہو فقہاء نے لکھا ہے کہ جن کا مال لٹتا ہو ان سے بیت المال کے لئے راشن زکوۃ نہ لیا جائے ان کو امن نہیں دیا ہے تو زکوٰۃ کس چیز کی لے رہے ہو اور حکومت کی ہر طرح کی معصیت کا متحمل ہوگا لیکن علماء کہتے ہیں ظلم کا تحمل نہیں ہے اور ظالم حکومت بہت جلد تہس نہس ہو جائے گی

''الظلم ظلمات یوم القیٰمة'' (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۳۱)

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ یہی ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے محدثین کہتے ہیں یہیں سے اندھیرا چھا جانا شروع ہوا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو اور ناانصافوں کو بھی ان کے ظلم اور ناانصافی سے دنیا میں ہی توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور بدچلنوں کو اور دہشت گردوں کو اللہ نیک سیرت اور نیک خصلت بنائے اور دشمنوں کو اللہ اسلام کے اور مسلمانوں کے موافق اور دوست بنائے، اسلامی تعلیم میں اور اسلامی رعایا میں کسی کے ساتھ کسی درجے میں بھی غیر ضروری تشدد یا انتہا کا ثبوت نہیں دیں، تمام احکام حدود کے ساتھ عدل میانہ روی کے ساتھ نافذ ہیں جیسے کہ اس کے

اسرار وحکم اہل علم خوب جانتے ہیں جنہیں عقل و ہوش نہیں ہے، جو بے انصاف ہیں وہ فضول باتیں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہاں بکرے کٹ رہے ہیں مینڈھے کٹ رہے مرغیاں کٹ رہی ہیں یہ نہیں ہونا چاہیے یہ اس کے سوئے فہم اور قلت عقل اور معاشرتی شعور سے محرومی کی وجہ ہے۔ جیسے گوتم بدھ کی طرف منسوب ہے کہ وہ کسی قربانی کے قائل نہیں تھے کتنی غلط بات ہے قرآن کریم میں ہے

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا'' (سورۂ مائدہ آیت ۲۷)

کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے مسلمانوں اور انبیاء کرام میں قربانی کا رواج ہے، قربانی سنت طریقہ ہے، قربانی حلال جانور کی ہوتی ہے، تو جو انتہا پسند ہیں ان کو نہیں پہچانتے ہیں ہندو گائے جیسے جانور کو مذہبی ماں کہتے ہیں اور اس کا پیشاب پیتے ہیں اگر بچہ پیدا ہو جائے تو پیشاب میں نہلاتے ہیں کہتے ہیں پکا ہندو ہو گیا سیدھا جنہم جائے گا اور جب ہندو مر جاتا ہے تو اس کا جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وفادار جانشین اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں یا باپ کی لاش کو آگ میں جلائے یعنی مسئلہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد ان کو آگ دی جائے اور لوگ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں وہ آگ میں جل رہا ہے یہ انتہا پسندی ان کو نظر نہیں آتی ہے، ان کو روکتے نہیں ہیں کہ خبردار انسان کو جلانا ایک غلط فعل ہے، انسانیت کے خلاف ہے، صرف مسلمانوں کی عظمت اور مسلمانوں کی دلربائی اس کے ساتھ بغض کی وجہ سے انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

مسلمان اور ہندو کے درمیان ایک مکالمہ

ایک بار کالج کے اندر کچھ لڑکے پڑھتے تھے تو کچھ لڑکے بڑے سمجھدار بڑے دیندار اور بڑے علم کے سرفروش ہوتے ہیں آپس میں ایک مسلمان لڑکے میں اور ایک ہندو لڑکے میں بحث ہوئی مسلمانوں کے یہاں مردے کی تدفین ہوتی ہے اور ہندوؤں کے یہاں مردے کو جلایا جاتا ہے اس نے کہا جلانا اچھا ہے مسلمان نے کہا نہیں قبر میں مٹی میں رکھنا اچھا ہے ایک اور مسلمان اور ہندو کو تلاش کیا کہ ہم دونوں دلائل دیں گے مسلمان دلائل دے گا کہ قبر میں رکھنا اچھا ہے یہ انسانی منزلت کے مطابق اور ہندو کہے گا کہ لاش کو جلانا اور آگ لگانا بہتر ہے آپ دونوں سن لیں اور بعد میں فیصلہ کریں کون حق پر ہے دونوں نے بحث کی اور مناظرہ میں جتنی دیر لگی، لگی، اس کے بعد دلائل مکمل ہو گئے اور دونوں ججوں سے کہا گیا کہ وہ فیصلہ سنائیں انہوں نے فیصلہ سنایا، انہوں نے کہا کہ اصل میں دونوں صحیح ہیں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بس یہی دنیا ہے آگے کچھ نہیں ہے یہ روح واپس آتی ہے جوان کے یہاں نظریہ ہے تناسخ کا جب آخرت ہے ہی نہیں ان کی تو ان کو کیا قبر میں رکھنا ہے وہ تو کچرا ہے اور آگ میں جلایا جاتا ہے، مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا تو امتحان ہے اصل انعام واکرام مرنے کے بعد آخرت میں ہے وہ خزانہ ہے اور خزانے کو مٹی میں دفنایا جاتا ہے اور بیش بہا اور قیمتی خزانہ ہے مسلمانوں کا مذہب عقلاً نقلاً درایۃ روایتاً تمام اوامر ونواہی اصول و فروع تمام مذاہب میں اسلام اللہ کے فضل سے فضل شعور تہذیب بصیرت خلقت کے مطابق ہے تو مسلمانوں کے مردے کو دفنایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک قیمتی خزانہ ہے اور خزانہ

زمین میں دبایا جاتا ہے نہ کہ اسے جلایا جاتا ہے۔

امام بخاری کا طریقہ کار اور بخاری شریف کی ابتداء

امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح مکمل فرمائی ہے اور عجیب وغریب تقویٰ اور پرہیزگاری سے، کہا جاتا تھا تقریبا ہر مجلس کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ حضرت غسل فرماتے تھے استخارہ کرتے تھے اور پھر احادیث درج فرماتے تھے، یہ کہنا کہ حضرت صاحب ہر حدیث سے پہلے یہ اہتمام فرماتے تھے یہ کم عقلی کی بات ہے اور بعید از عقل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی اور میرے مال میں کوئی شک کی چیز نہیں ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری کی ایک دفعہ کسی مال ومتاع کے سلسلہ میں ایک شخص سے بات ہوئی اور اس نے کہا کہ جب آپ اتنے کا دیں گے تو میں لے لوں گا امام صاحب نے کہا میں راضی ہوں وہ سودا کئے بغیر چلا گیا اور دوسرا آیا اس نے دوہری قیمت دینے کا عندیہ دیا لیکن امام بخاری نے کہا کہ اس نے مجھے نہ تو نہیں کیا ہے خاموش چلا گیا میں مال کے لئے اپنی نیت نہیں بدلوں گا میں نیت کر چکا تھا اس کو دینے کی ،تقویٰ اور پرہیزگاری دیکھیں ایجاب قبول نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نے کہا دنیا کے لئے میں اپنی نیت نہیں بدلوں گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے

"الجامع الصحيح المسند المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه"

شان وشوکت سے مکمل فرمائی ہے۔ اس زمانے کے جو مسانید العلم تھے امام احمد

بن حنبل ،امام ابوزرعہ،امام ابن ابی حاتم ان بزرگوں نے اوراسحاق ابن ابراہیم راہویہ حنظلی بلکہ کہتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہی ایک مجلس میں کہا تھا ''یا لیتنی لو قام شیخنا شاب و .....'' ہدیۃ السعدی میں ہے ابن حجر نے نقل کیا ہے امام راہوے نے یہ اظہار کیا تھا کہ کوئی جوان ہمت محدث صحاح کو غیر صحاح سے علیحدہ کرلے امام بخاری کہتے ہیں میں نے اسی مجلس میں نیت کی تھی اور شروع کرلیا۔سب سے پہلے مکہ مکرمہ گئے اور بیت اللہ شریف کے سامنے حجر اسود اور ملتزم کے درمیان میں بدء الوحی لکھنا شروع کیا۔کہا جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے علوم کے متعلق تیرہ سال میں مکہ کی زندگی میں جو کچھ ہوا وہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہاں نقل فرمایا اور پھر مدینہ منورہ آئے اور مواجہ شریف میں بیٹھ کر باقی کتاب مکمل کی کیونکہ دین مکہ سے شروع ہوا اور مدینہ میں مکمل ہوا ہے،الجامع الصحیح مکمل ہونے کے بعد علماء حجاز، بخارا اور ثمرقند اور نیشاپور سب کو پیش کی گئی،تمام کو تقسیم فرمائی اس وقت سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو اسلام کا سپہ سالار بنایا اور ان کی کتاب کو اسلام کا عظیم سرمایہ بنایا۔

بخاری میں احادیث کی تعداد

مسلمان،علماء ہوں یا عوام خاص کر عوام ہر ایک دل و جان سے اس سے محبت کرتا ہے اس پندرہویں صدی میں بھی بخاری کے درس، بخاری کے بیان، بخاری کی احادیث، کسی بھی مجلس میں کہا جائے کہ بخاری میں آیا ہے،فوراً آپ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بہترین اور صحیح حدیث بیان ہو رہی ہے۔امام بخاری نے صحت کا جو اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس

کو بڑا سرفراز فرمایا ہے، چنانچہ الجامع الصحیح حضرت نے ترتیب دی، تبیین فرمائی، جمع فرمایا، بڑا وقت لگایا اس میں اور کہتے ہیں چھ لاکھ کے مجموعے میں سے حضرت والا نے یہ چند ہزار احادیث منتخب فرمائی ہیں، باقی لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چھ لاکھ پوری کیوں جمع نہیں کیں، میں کہتا ہوں کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرتے تو وہ کوئی آپ کے مزدور تھے کیا؟ ایسی فضول بات کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ یہی سب کچھ ہے لیکن اس کے سمجھنے میں حدیث کا شعور چاہیے۔

وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''**انما الاعمال بالنیات**'' نقل کی ہے سات جگہ اور ساتوں جگہ ان کے شیخ علیحدہ ہیں تو یہ ایک حدیث نہیں ہے یہ سات ہیں کیونکہ محدث کو تو سند یاد کرنی پڑتی ہے اور ہر جگہ وہ شیخ تبدیل کرتے ہیں طلباء خوب جانتے ہیں اور علماء تو جانتے ہی ہیں حلیمی نے معجم میں کہا ہے کہ حدیث ''**انما الاعمال بالنیات**'' تقریباً سات سو پچیس یا پچھتر طرق سے منقول ہے، محدثین کے نزدیک یہ سات سو سے زیادہ احادیث ہو جائیں گی، لیکن فقہاء چونکہ متن دیکھتے ہیں ''**انما الاعمال بالنیات**'' یہ متن ہے وہ ایک حدیث مانیں گے اس کو تو باعتبار متن کے ایک ہے اور باعتبار اسانید کے خود بخاری میں سات ہے اور اس کو جب جمع کریں گے تو سات سو پچیس یا پچھتر کے قریب اس کی تعداد ہو جائے گی۔ اس طرح کے امام بخاری رحمہ اللہ کی تمام احادیث کو غور سے آپ دیکھیں گے کہ یہ کل کتنے طرق سے ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ چھ لاکھ پوری ہو جائیں گے۔ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے اور یہ کوئی بعید بات تو نہیں ہے، اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ، معراج ﷺ کے موقع پر پچاس نمازیں تھیں پھر پانچ رہ گئیں اور اعلان یہ ہوا

کہ "تلک خمس وخمسون"

"مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ" (قٓ آیت ۲۹)

یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی ہیں اجر وثواب تو ہے ہی

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" (انعام آیت ۱۶۰)

علماء دین کہتے ہیں یہ سنتیں، اوابین، نوافل، اشراق، چاشت، قیام اللیل، تہجد یہ تمام نمازیں مل کر تقریباً پچاس پوری ہو جائیں گی۔ پانچ قطعی اور بقیہ اختیاری، یہ سب انسان کے طبائع اور مزاج پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب کا آغاز وحی سے فرمایا اس کے بعد ایمان لے آئے اور پھر علم لے آئے کیونکہ علم کو سمجھنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور وحی اس لئے تاکہ ایمان لائے تو کتاب الایمان لے آئے پھر ایمان کی کتنی تفصیلات ہیں اور مسائل واحکام ہیں تو اس کے بعد کتاب العلم لے آئے، جب علم حاصل ہوا تو علم کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اعمال میں سب سے بلند عمل نماز ہے اور نماز کے لئے وضو اور طہارت شرط ہے تو نماز سے پہلے کتاب الطہارت لے آئے اور اس کے بعد نماز بالتفصیل اور دیگر اعمال کا تذکرہ ہوا علی ھذ القیاس الیٰ آخر الجامع۔ کتاب کے آخر میں باطل کا رد کیا" کتاب الرد علی الجهمية " کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے حق کو حق کہنا ضروری ہے اور غلط کو غلط کہنا ضروری ہے دنیا میں جب آپ حلال کا تعارف کریں گے تو ان چیزوں کا تذکرہ بھی

ضرور کریں گے جن سے بچنا بہت ضروری ہے کہ یہ شرعاً حرام ہیں، اہل حق کو اہل حق ثابت کرنے کے لئے کچھ اہلیان باطل کی نشاندہی کرنی پڑے گی تاکہ بسادہ مزاج مسلمان غفلت میں پڑ کر ان کے شکار نہ ہو جائیں لوگوں کے ایمان اور انجام بچانے کے لئے آپ کو یہ بھی کرنا پڑے گا لیکن اپنا پروگرام اور اپنا عقیدہ مضبوط رکھنا ہے تو کتاب التوحید یہ سب باتیں میں نے درس میں کہی ہیں اور طلبا عزیز خوب سمجھ چکے ہیں اور علماء تو ہیں ہی۔

وزن اعمال کی کیفیت

جس وقت امام بخاری رحمہ اللہ الجامع الصحیح کو مکمل فرما رہے تھے تو ان کو ایک فکر دامن گیر ہوئی، کیونکہ یہ دنیا ختم ہو جائے گی، دنیا تو ختم ہونے کے لئے ہے

"وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ" (حج آیت ۷)

"وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ" (نحل آیت ۷۷)

آنکھیں جھپکنے میں دنیا ختم ہو جائے گی دنیا جب ختم ہو جائے اور آخرت برپا ہو جائے تو وہاں ایک بڑا مسئلہ پیش آئے گا وزن اعمال کا اور اعمال کا تلنا برحق ہے یہ کوئی عام سی یا زبانی سی بات نہیں ایک حقیقت ہے

"وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِالْحَقُّ" (اعراف آیت ۸)

اس دن کا تول ترازو اعمال کا برحق ہوگا۔ تو جب انسان میں ایمان ہوگا تو اس کے اعمال وزن دار ہوں گے اور جو کوئی بھی بغیر ایمان کے وہاں گیا تو دنیا میں کیئے ہوئے تمام اعمال بے وزن ہو جائیں گے۔ پھر اعتراض کرتے ہیں کہ اعمال تو اعراض ہیں یہ کیسے

تولے جائیں گے، جیسے مناطقہ نے کہا اور تلنے والی چیز تو جواہر ہے یہ کہا جاتا ہے کہ ''عرض ماقام بالغیر ''اور''جوھر ماقام بنفسہ '' حالانکہ بات بالکل بدل گئی ہے جس کو منطقیوں نے اعراض کہا تھا جیسے اعمال وہ جواہر نکلے اور جن کو انہوں نے جواہر سمجھا تھا وہ اعراض نکلے وہ اس لئے کہ انسان ان کے یہاں جوہر ہے لیکن وہ نہیں رہتے لیکن بخاری شریف میں امام بخاری کا عمل ہے وہ موجود ہے اور اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اعمال کا کہا ہے کہ یہ تلیں گے، پہلی بات تو یہ ہے کہ تولنا یہ دنیا کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں، مثلاً

ایک شخص بیمار ہے یا ایک عارضہ ہے ڈاکٹر صاحب تھرمامیٹر رکھ کر کہتا ہے کہ ایک سو دو بخار ہے اگر بروقت ٹھنڈے پانی کی پٹی نہ رکھی گئی یا دوانہ دی گئی ۱۰۴، ۱۰۵ ہو جائے گا ، یہ بخار کیا ہے یہ کیفیت ہے عرض ہے۔

شوگر اتنی ہائی ہے ایک معمولی سا آلہ انسان کی طبیعت اور اس کی کیفیت بتاتا ہے کہ شوگر بہت کم ہوگئی ہے یا بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

بلڈ پریشر، دل کی حرکت ان سب چیزوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ہمارے بزرگ اور محسن معالج علمی خاندان کے چشم و چراغ اور ایشیاء کے دل کے سب سے بڑے ماہر اور اولیاء و صلحاء کی یادگار جناب ڈاکٹر عبدالصمد صاحب ایک مریض کو دیکھنے کے لئے یہاں تشریف لائے، تو اس مریض کے سینے پر کان رکھا اور سننے لگے، میں نے کہا ڈاکٹر صاحب کیا سن رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ دل کی آواز سن رہا ہوں بیمار دل کی آواز بھی بیمار ہوتی ہے اور صحت مند دل کی آواز صحت مند ہوتی ہے یہ جو دھڑکتا ہے۔

عبدالرحمان بابا نے کہا

د مات لوخی آواز کلہ ثابت ځی

د ہر چا عمل سرگند پہ خپل گفتار شی

یہ بات تو دنیا کے اندر ہی ثابت ہوگئی کہ اعراض وزن کئے جارہے ہیں ان کا اسٹینڈر بتایا جاتا ہے ۴، ۲، ۱۰ اسب چیزیں مشینی آلات کے ذریعہ سامنے آجاتی ہیں۔

تو اللہ احکم الحاکمین جل واعلیٰ اس کے یہاں کیا کمی ہے وہ تو قادر مطلق ہے، قیامت کے دن ان اعمال کو تولنا اس کے لئے کیا دشوار ہے؟

"باب قول اللہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ"

یہ باب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم انصاف کے ترازو قائم کریں گے "وَنَضَعُ" تفسیر کبیر میں "نقیم" اور موازین میزان کی جمع ہے۔ دودھ اور طرح تلتا ہے گندم اور طرح، کپڑے کو ناپنے کا طریقہ اور ہے، سونا اور چاندی کے تولنے کے اور ذرائع ہیں۔ شاعر کہتا بھی ہے کہ

ملک تقوم الحادثات لعدله فلكل حادثة ميزان

(فصول فی اصول التفسیر ص ۱۱۱)

ہر ہر کام کا علیحدہ ترازو ہوتا ہے اور یہ میزان کی جمع ہونا ضروری نہیں ہے موازین جمع ہے تفهيم الشان کے لئے جیسے

"كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ" (شعراء آیت ۱۲۳)

حالانکہ انہوں نے صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت زیادتی کی یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے اصول دین میں

انبیاء متفق ہیں قولان مشہوران لہٰذا الشان ''الـقـسـط'' کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے موازین ''الـقـسـط القاسطاس ''اور بعض کہتے ہیں یہ منسوب'' بنضع الحافظ ''یعنی اصل میں ہے ''لـلقسط ''لیکن اس کو ہٹا دیا گیا'' الـقـسـط'''' وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' اور'' ليوم القيامة '' یہ ظرف واقع ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال کا تول ترازو ہوگا۔

''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ''(انبیاء آیت ۴۷)

قیامت کے دن ترازوئے عدل لگیں گے'' وان اعـمـال بـنـی آدم وقولهم یــوزن ''اور بنی آدم کے اقوال اوران کے اعمال تلیں گے بنی آدم ہی ہوں گے جنات نہیں ہوں گے کیا؟ تو کہتے ہیں کہ یہ تغلیبا کہا گیا ہے اس میں جنات بھی شامل ہیں اور'' وقولهم'' کیوں کہا اس لئے کہا کہ زبان ایک ہی ہے سب باتیں سب کام یہ کرتی ہے۔ زبان ایک ہوتی ہے باتیں بہت ساری کرتی ہے اس مناسبت سے قول لے آئے اگر چہ قابلسی کے نسخے میں ''واقوالهم'' ہے پھر تو بات ہی ختم ہوگئی۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے

'' وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ''(شعراء آیت ۱۸۲)

ترازو سیدھا رکھو، بعض اوقات تولنے والے تولنے میں ایسا دھوکہ کرتے ہیں کہ آپ حیران رہ جائیں۔

استاذ سے چمٹے رہنا پختگی علم کی دلیل ہے

''قـال الـمـجـاهـد القسطاس مصدر المقسط ''امام مجاہد فرماتے ہیں

قسطاس، مقسط کا مصدر ہے، امام مجاہد تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں حضرت الاستاذ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب " یتیمۃ البیان "میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تیس مرتبہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر پڑھا ہے۔ آج کل کے طلباء ہم سے ایک سال پڑھ لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ایک سال پڑھ لیا اب ہم کیا کریں؟ جب تک علوم پختہ نہ ہوں استادوں کے ساتھ جڑے رہیں، حل کرر ہیں اس زمانے کے طلبہ کا علمی میدان کیوں کمزور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ سوچتے ہیں بس فارغ ہوگیا تو بس فاضل ہی ہوگیا فارغ نہیں ہونا ہے برتری حاصل کرو استادوں کو باہم مضبوط پکڑو اور دیر تک ساتھ رہو۔

کہتے ہیں کہ ابن جنی مشہور عالم ہے انہوں نے اپنے استاد ابوعلی الفارسی سے پڑھا اور بہت جلدی کمال کو پہنچ گئے اور اپنا درس شروع کردیا علامہ ابوعلی الفارسی نے درس میں پوچھا کہ " کیا بات ہے ابن جنی نہیں آرہا" لوگوں نے کہا" ان کا خود کا اتنا اچھا درس ہوتا ہے" علامہ ابوعلی الفارسی کو جب موقع مل گیا تو ان کا درس ہو رہا تھا حضرت بھی ایک سائڈ پر آکر بیٹھ گئے اور سنتے رہے اور روانہ ہوتے ہوئے کہا" قد ذبب قبل انصرام "انگور وقت سے پہلے پک چکا ہے جب وہ چلے گئے تو ابن جنی کو لوگوں نے کہا کہ حضرت شیخ آئے تھے ابوعلی الفارسی، تو انہوں نے پوچھا کیا کہا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ کہہ کر گئے ہیں" قد ذبب قبل انصرام "مؤرخین لکھتے ہیں جب ابن جنی نے یہ سنا تو اپنا درس ختم کردیا اور چالیس سال تک اپنے شیخ کے ساتھ رہے اور پھر کبھی بھی جدا نہیں ہوئے، استاذ سے بھی کوئی جدا ہوتا ہے جدائی تو موت پر آتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق حسن التقاضی میں بلاد عرب کے انور شاہ شیخ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے لکھا ہے

"کان ابویوسف عظیم الاجلال لشیخیه ابن ابی لیلی وابی حنیفة کبیر البر لهما فبذلک نال برکة العلم"

(حسن التقاضی فی سیرۃ امام ابی یوسف القاضی ،ص ۱۹، تصال ابی یوسف بمجلس ابی حنیفۃ)

لکھا ہے کہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ کو اطلاع ملی کہ گھر والی بیمار ہے، انہوں نے کہا کہ دایا بلالو، پھر اطلاع ملی کہ بچہ ہوگیا، حضرت نے کہا کہ آذان دے دو اور گھٹی بھی دے دو، پھر اطلاع آئی کہ بچہ بیمار ہوگیا، حضرت نے کہا کہ طبیب کو بلاؤ، پھر اطلاع آئی کہ بچہ فوت ہوگیا، حضرت نے کہا کہ جنازہ پڑھ لو، لیکن درس چھوڑ کر نہیں اٹھے، امام ابوحنیفہ کا درس جاری تھا اور امام ابوحنیفہ ایک مسئلہ پر ایک دن کلام کرتے تھے پھر دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے مسائل بہت زیادہ تھے فقہ حنفی مدون ہورہی تھی ،اس سب کا نتیجہ دیکھیں کہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ جب قاضی القضاۃ بنے خلیفہ ہارون رشید کے دور میں تو مدینہ میں امام مالک موجود تھے اور مکہ میں ابن جریج تھے، کوفہ میں امام شافعی اور چاروں آئمہ ابوثور اوزاعی سفیانین سب موجود تھے اور ان سب پر امام ابو یوسف قاضی القضاۃ مقرر تھے، تیس ہزار جید علماء اور قاضی آپ کے سامنے روز حاضری لگاتے تھے اور "الرعی والذکر للعلماء" ابن .....لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے میں احفظ للاحادیث والاسانید امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، آپ کے زمانے میں آپ سے بڑھ کر حافظ الحدیث اور کوئی نہیں تھا، وقت کے فقیہ فقہاء کے سرتاج تھے کیونکہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کا حضرت والا بہت زیادہ احترام کیا

کرتے تھے۔

ہمارے تو مسلک اور مکتبہ فکر کی خصوصی روایت ہے کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی ہمارے مولانا عنایت اللہ صاحب نے مجھے کہا طلباء جو زخمی ہوئے تھے بعد میں شہید بھی ہوئے بتایا کہ جب ان کو دیکھنے کے لئے اس طرح ان کے قریب ہوتے تھے تو خون میں لت پت جسم کے ساتھ اپنے استاذ کا اس وقت بھی ادب کرتے تھے، شک نہیں ہے کہ یہ ایک عظیم خزانہ ہے یہ نبوت کے علوم اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں وہی اثرات اور جلوے پوری دنیا میں نظر آرہے ہیں۔

لفظ " القسط " کی تحقیق

تو آیت میں ایک لفظ آیا ہے " وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ " ترازو سیدھا استعمال کرو اس میں ٹیڑھ پیڑھ نہ کرو تو یہ قسطاس کیا چیز ہے امام مجاہد نے کہا یہ سیدھے کو کہتے ہیں اردو زبان میں تو ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا کہ " هل وقع عجمة فى القرآن " ابن جریج وغیرہ نے اس کا انکار کیا تھا لیکن اصلاً ثابت ہے اور یہ تغلیباً ہے اور اب وہ فصیح عربی بن چکا ہے، " ويقال القسط مصدر المقسط " قسط جو ہے یہ مقسط کا مصدر ہے، مقسط کا مصدر تو اقساط آئے گا باب افعال ہے...... اعتبار اصل الاصل کا کیا ہے " وهو العدل " مقسط کا معنیٰ ہے انصاف کرنے والا انصاف پسند کرنے والا

" إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ " (سورۃ مائدہ آیت ۴۲)

" واما القاسط فهو الجائر " قاسط جائر کو کہتے ہیں ظالم کو

''وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ''(سورۂ جن آیت ۱۵)

اصل میں بتانا چاہتے ہیں کہ الفاظ ترازو کے بھی ہوتے ہیں اور صیغہ ایک اعتبار سے ایک معنی دیتا ہے جیسے ''وجد یجد، وجدانا ''معنی پانے کا ہے اور ''وجد یجد، وجدا'' بمعنی غضب کے ہیں کتنے صیغے ہیں جو مصدر سے بدل جاتے ہیں متعلق سے بدل جاتے ہیں صلے سے بدل جاتے ہیں سیبویے نے مستقل کتاب الصِلات لکھی ہے تو مقسط کے معنی ہے انصاف کرنے والا اور قاسط کے معنی انصاف نہ کرنے والا ظلم کرنے والا تو مقسط پسندیدہ ہے ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ''(سورۂ مائدہ آیت ۴۲)

اور قاسط دوزخی جہنمی کو کہتے ہیں ظالم کو کہتے ہیں حجاج ابن یوسف سے جو اختلاف کیا تھا امام شافعی رحمہ کہتے ہیں کہ سعید ابن جبیر سید التابعین کو میں صحابہ کے برابر سمجھتا ہوں علم میں تو بعد میں سعید ابن جبیر پکڑے گئے لائے گئے اور ''حجاج ابن یوسف مبر هذه الامة و فرعونها ''اس نے پوچھا ''ماتقول فِيَّ ''میرے بارے میں کیا خیال ہے اس نے کہا ''ارک قاسطا عادلا ''میں آپ کو اب بھی، قاسط عادل کہتا ہوں ''ففرح الحاضرون ''لوگ خوش ہو گئے آپ نے کہا ''ویلکم لاتفهمون انه سبنی سبا شدیدا'' سمجھتے نہیں اس نے تو مجھے بڑی بددعا اور گالی دی ہے کیونکہ قاسط تو کہا مقسط نہیں کہا اور ''وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ''(سورۂ جن آیت ۱۵)

اور عادل جو کہا ہے ''ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ''(سورۂ انعام آیت ۱)

مشرک کے معنی میں کہا ہے ''یعدلون ای مشرکون ''حجاج ابن یوسف بھی لغت عرب کا امام تھا۔ (حضرت اقدس شاہ صاحب نے لکھا ہے)

وہ ابونواس بغداد میں آیا ھارون رشید کے دربار میں اشعار وغیرہ پڑھے اور اس نے کچھ دیا نہیں تو بعض لوگ جب کچھ نہیں ملتا تو بہت غصہ ہو جاتے ہیں اس نے جاتے وقت باہر بورڈ پر شعر لکھا کہ

لقد ضاع شعری علیٰ بابکم کما ضاع در علی خالصه

اس کی ایک کنیز تھی بہت پسندیدہ خالصہ نام تھا تو ہارون رشید کو کسی نے کہا کہ اس نے ایسا کہا ہے کہا بلاؤ تو آ کر اس نے ضاع کے عین کو ء بنا دیا اس نے کہا آپ نے کیا لکھا ہے اس نے کہا میں نے لکھا ہے "لقد ضاء شعری" میرا شعر چمک کیا "ضاء یضیء" ضیاء سے ہے، پھر جب وہاں سے واپس جانے لگا تو پھر شعر کو اسی طرح کر دیا اور " ء " کو دوبارہ " ع " بنا دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ص ۴۱۲، ۴۱۳)

احادیث میں بھی ایسے الفاظ واقع ہیں جیسے دعاء میں نور میں ہے

"اللهم اجعل لی نورا فی قلبی ونورا فی قبری ونورا من بین یدی ونورا من خلفی و نوراعن یمینی و نوراعن شمالی ونورا من فوقی ونورا من تحتی و نورا فی سمعی ونورا فی بصری ونورا فی شعری ونورا فی بشری و نورافی لحمی و نورافی دمی و نورا فی عظامی اللهم اعظم لی نورا واعطنی نوراواجعل لی نورا"

(ترمذی ج ۲ص ۱۷۸، بخاری ج ۲ص ۹۳۵ مختلف الفاظ کے ساتھ)

یہاں بعض طرق میں ہے" وذکر خصلتین "دو خصلتیں اور ہیں تو کسی ظالم سے غلطی ہو گئی یا کاتب سے سہوا ہو گیا تو "خصلتین" کی جگہ "خصیتین" لکھ دیا اور

بڑے حفاظ زمانے کے شکار ہو گئے، علامہ خطابی بوستی نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے ''خطاء المحدثین'' میں نے طلباء سے کہا ہے کہ اس کو حاصل کرو یہاں ایک کتب خانہ نے شائع کی ہے اور ابن الجوزی نے ایک کتاب لکھی ہے ''کشف المشکل'' کہ جو احادیث کے معنی خود اہل علم بیان کرتے ہیں اس میں احتیاط ہو اور سب سے بڑی کتاب امت میں ابو جعفر طحاوی سر خیل اور تاجدارِ امت حنفیہ کے بڑے عالم ہیں

''حتیٰ یفوق فی بعضہ علی البخاری نبہ علیہ الشیخ انور''

ان کی کتاب شرح مشکل الاحادیث ۱۶ ضخیم جلدوں میں چاہئے کہ تمام طالبِ علموں کے سرہانے، عالم کے سرہانے رکھی ہوئی ہو اس میں تمام ان مواطن کو سمجھایا گیا ہے جہاں ایک محدث سے خطا واقع ہو سکتی ہے۔

وزنِ اعمال کی کیفیت

بہر حال قیامت کے دن ترازو لگیں گے اور اس ترازو کے پلڑے ہوں گے (آج کل سیاسی لوگوں نے بھی ترازو نکالا ہے) اور

''کفت الحسنات بایضاء الجنة و کفت السیئات بایضاء النار''

جو نیکیوں کا پلڑا ہے وہ جنت کی سیدھ میں ہے اور جو بداعمال اور گناہوں والا ہے وہ جہنم کی سیدھ میں ہے اور کہتے ''لہ لسان و کفتان'' اس کے رغب بھی ہے با قاعدہ صحیح معنوں میں ترازو لگے ہیں ''وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ'' ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ'' جن کی نیکیاں بھاری ہیں '' فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' ''وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُه'' (اعراف) جن کی نیکیاں ہلکی ہوئی اور گناہ بڑھ گیا وہ نقصان اٹھائے گا۔ یہ بھی بحث کی گئی

ہے کہ صاحب المیز ان کون ہے اس سلسلے میں تین روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل ہوں گے، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے اور تیسری روایت میں ہے کہ عزرائیل ہوں گے۔ تو علماء نے کہا ہے کہ یہ تینوں باتیں جمع ہو جائیں گی کیونکہ عدالت کے اندر جب کیس پیش ہوتا ہے تو ایک جس ایس ایچ او، ڈی ایس پی کے علاقے میں قتل ہوا ہے جرم ہوا ہو وہ پیش ہوتا ہے تو وہ ملک الموت ہے دوسرا یہ کہ جن کا نقصان ہوا ہوتا ہے ان کا آدمی آتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا آپ کھڑے رہیں یہ آپ کی اولاد کے اعمال تُل رہے ہیں اور تیسرا سرکاری وکیل ہوتا ہے تو وہ حضرت جبرئیل ہیں وہ جرح کرتا ہے حکومت کی طرف سے۔ پورا نظام عدل بروز حشر قائم ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے خواہش ظاہر کی کہ رب کریم مجھے یہ ترازو دکھا دیں **فلما راٰہ غشی علیه** جب دکھایا تو اتنے بڑے بڑے پلڑے تھے کہ حضرت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے ''فلما افاق'' جب ہوش میں آئے تو فرمایا

''قال یا الٰهی من الذی یقدر ان یملأ کفته حسنات''

کس میں اتنی طاقت ہوگی جو ان کو بھر سکے گا

اتنے بڑے بڑے ترازو ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

''فقال یا داوٗد انی اذا رضیت عن عبدی ملأتها بتمرة''

(تفسیر کشاف مکتبہ عبیکان ج ۴ ص ۱۴۹، انبیاء آیت ۴۷)

میں جب بندے سے راضی ہوتا ہوں تو ایک کھجور اس نے خیرات کی ہوگی اور میں پورا ترازو نیکیوں کا اس ایک کھجور کی شکل میں اس کے حسنات سے بھر دوں گا۔ بخاری

شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں اُحد پہاڑ کے برابر آ جائیں گی وہ حیران ہو جائے گا کہ اتنی کھجور تو میں نے منڈی میں بھی نہیں دیکھی تھی حق تعالیٰ کہے گا آپ نے ایک کھجور دی تھی یا آدھی دی تھی...... ''ولکن یربھا'' ....'' اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کی وہ بڑی ہوگئی اتنی بڑی ہوگئی جیسے آپ نے بچھڑے کو یا آونٹ کے بچے کو شوق سے پالا اور وہ بڑا ہو گیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی پرورش کی

''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ'' (آل عمران آیت ۳۷)

اور آج ایک پورا پہاڑ کی صورت میں آپ کو نظر آ رہا ہے۔

کیا چیز تولی جائے گی

اب ایک بحث یہ ہے کہ ''تلے گا کیا''؟ تو اس کے بھی تین چار اقوال ہیں

ایک قول یہ ہے کہ اعمال جو ہے

''ان یجعل الاعمال والاقوال اجساما او یجعلها فی اجسام وقد روی بعض المتکلمین عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان اللہ تعالیٰ یقلب الاعراض اجساما فیزنها او توزن صحفها''

(ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۴۸۰)

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو جسم دیدیں گے اور یہ وزن دار ہو جائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عاملین تلیں گے عمل کرنے والے بخاری شریف میں ہے سورہ

کہف کی آخری آیات میں

''فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا'' (کہف آیت ۱۰۵)

ایک موٹے تازے لحیم شحیم بڑے جسم والے آدمی کو لایا جائے گا لیکن جب ترازو میں بٹھادیا جائے گا تو کچھ بھی نہیں ہوگا

''انه ليأتي الرجل السمين العظيم يوم القيٰمة لايزن عند الله جناح بعوضة''

(شرح ریاض الصالحین ج۳ ص ۵۶)

ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا کیونکہ جب ایمان ہی نہیں تو اعمال کہاں سے آئیں گے اور وزن کہاں سے آئے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحفِ اعمال تلیں گے وہ کاغذ، وہ رجسٹر، وہ کتابیں جن میں فرشتوں نے انسان کے اعمال درج کیئے ہیں، محفوظ کیئے ہیں یہ لائے جائیں گے اور انہیں تولا جائے گا اور اس کی دلیل بطاقہ کی حدیث ہے جس کی حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے سنن میں، ابویعلیٰ نے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں تخریج کی ہے "بعضهم حسنه وبعضهم صححه'' وہ یہ کہ ایک شخص کی نیکیاں نہیں ہوں گی یا معطل ہوں گی ایک پُرزہ کاغذ کا لایا جائے گا اور وہ سوچے گا کہ اتنے ننانوے دفتر گناہوں کے ہیں اس کے ساتھ کیا تل سکے گا مگر وہ جو حسنات کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو اس کے وزن سے وہ بھاری ہو جائیگا، جب اس پرچی کھول کر دیکھا جائے گا تو اس میں لکھا ہوگا

''اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمد رسول الله''

زمین و آسمان و عرش و کرسی ہوئے سرمست پی کر جامِ اللہ
بہائے خون اگر تو عاشقوں کا تو ہر قطرے سے نکلے نامِ اللہ

بہر حال قیامت کے دن اعمال تلیں گے معتزلہ نے اپنے حساب سے کچھ عقلی باتیں کی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اعراض ہوگا تو جواب دیا گیا کہ اعراض عند المناطقہ ہے جن کو آپ اعراض کہتے ہیں وہ حقیقت میں جواہر ہیں، کبھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کیوں تولے گا وہ تو علیم بذات الصدور ہے جواب یہ ہے کہ یہ نظام عدل کا تقاضا ہے اس قسم کی باتیں معتزلہ نے کہی ہیں لیکن علمائے اہلسنت نے تحت الحدیث اجوبہ دیئے ہیں۔

حدیث کی سند پر کلام

وبہ قال حدثنا احمد ابن اشکاب یہ امام بخاری کے استاذ ہیں ان سے اور بھی احادیث بخاری میں ہیں اور کلاباذی نے رجال الصحیحین میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے ۲۱۹ھ کے اندر ملاقات کی بعضوں نے ۲۲۹ بتایا ہے بعض کہتے ہیں کہ حدیث کلمتان امام بخاری کے پاس (زھیب سے بھی ہے عقیلی سے بھی ہے) لیکن آخر میں جو سننے میں آئی وہ احمد ابن اشکاب سے ہے لیکن حفاظ نے اس کو نہیں مانا اور اس سے معذرت فرمائی ہے کہ ہمیں پتہ نہ چلا کہ "آخر من سمع" وہ احمد ابن اشکاب ہے اگر یہ مل گیا تو بہت ہی لطائف الاسانید ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں معقول بات یہ ہے کہ چونکہ امام بخاری ابتداء میں حدیث علامہ حمیدی سے لائے تھے اس لئے آخر میں بھی احمد چاہیے کیونکہ یہ دین محمدی ہے اور آنحضرت ﷺ کے دو بڑے نام ہیں محمد اور احمد اسی طرح

قرآنِ کریم کے دو بڑے نام ہیں قرآن اور فرقان اللہ کے دو بڑے اعلام ہیں

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ''

(بنی اسرائیل آیت ۱۱۰)

اَشکاب اور اِشکاب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اس نام کے، اس کے علاوہ بھی لوگ ہیں علی ابن اشکاب اور محمد ابن اشکاب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے ''لیس بینهم فی القرابة'' یہ آپس میں کوئی رشتہ دار نہیں ہیں، اتفاقی نام ہیں

''قال حدثنا محمد ابن فضیل'' یہ متفق علیہ حافظ ہے اور ثقہ ہے ''العمارة ابن قعقاع'' یہ یقیناً (موصوف ہے) اور رجال نقادین میں سے گنے گئے ہیں ''عن ابی زرعة'' یہ مسند زمانہ ہیں کبار تابعین میں سے ہیں۔

راوی الاسلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

''عن ابی هريرة رضی الله عنه'' ابو ہریرہ راوی الاسلام سن ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کا شرف اور فضل نصیب فرمایا، تین سال کے عرصے میں پیغمبر سے احادیث یاد کیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ مہاجرین بازاروں میں سودا سلف کرتے تھے انصاروں کی زمین تھی وہ کھیتی باڑی کرتے تھے ابو ہریرہ مسجد میں حدیثیں یاد کرتا تھا، اس لئے طالب کا بے سروسامان ہونا افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھو سن ۷ ھ میں آئے اور تین چار سال خدمت عالیہ میں رہے اور کس شان وشوکت سے اجلہ خلفاء کے

دربار میں ابوہریرہ کا مقام اور مرتبہ ہوتا تھا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سند مانے جاتے تھے خود صحابہ اور تابعین میں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت شوق سے حدیثیں یاد کرتے تھے ان کے پاس اتنی حدیثیں ہوگئیں کہ فرماتے ہیں عمرو ابن العاص کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہیں تھیں اور ابوہریرہ کی احادیث کا مجموعہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری کے اندر پانچ ہزار چار سو چوہتر (۵۴۷۴) احادیث بتائی ہے۔ یہ مجموعہ اس سے قوی ہے جو علی القاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کے پاس زیادہ تھیں وہ پانچ سے چھ سات ہزار ہیں پانچ اور سات ملا کر تمام احادیث، مکررات شواہد توابع اصل نقل حذف کر کے اتنا ہی بنے گا، اس میں سارا دین محفوظ ہے۔

بہر حال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی الاسلام ہیں بہت زیادہ ذخیرہ احادیث ان سے منقول ہیں اسلام کا فخر وشکر ہیں، بے دین لوگوں نے جہاں اسلام اور حدیث اور صحابہ پر اور آئمہ فقہ اور محدثین پر اعتراضات کئے وہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی نشانہ بنایا جس کے جوابات استاد ابوظہرہ نے اور شیخ احمد شاکر نے اور شیخ زاہد الکوثری شیخ زرقا رحمہ اللہ نے مفصل دیئے ہیں۔ کہتے ہیں ابوہریرہ کا نام پہلے عبدشمس تھا اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا امام بخاری کہتے ہیں عبداللہ ہیں لیکن جمہور کہتے ہیں عبدالرحمٰن ہے ابوہریرہ نام اس لئے پڑ گیا کیونکہ انہوں نے ایک بلی پال رکھی تھی اور کہتے ہیں کہ رات کو درخت پہ بٹھاتے تھے صبح وہ اوپر سے اتر آتی تھی اس کے بعد ان کو ''یا اباھر'' کہا گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ کسی کو بلی کے ساتھ دیکھیں تو کہیں کہ یہ

ابو ہریرہ ہے، ابو ہریرہ تو بہت مشکل سے ایک پیدا ہوا ہے اور قیامت تک کوئی اور نہیں آ سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے ہیں ایک قبیلہ تھا دوس اور ان کی بڑی شکایتیں آئی تھیں، تو آپ ﷺ نے ان کے لئے بجائے بددعا کرنے کے دعا فرمائی

''اللھم اھد دوسا وأت بھم'' (بخاری ج ا ص ۶۳۰)

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے آئے اور اسلام کے سپہ سالار بنے، معلوم ہوتا ہے جتنے بھی لوگ برے نظر آتے ہیں جن سے شکایات ہیں ان کے لئے بھی دعا کرنی چاہیے انہی میں اچھے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں ہلاکو اور چنگیز کے یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دوبارہ اسلام کو بغداد میں اور عراق میں نافذ کر دیا فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ دعا فرماتے تھے کہ

''اللھم لا تبلغنی علی رأس ستین''

اور کبھی کہتے تھے

''اعوذ باللہ من رأس الستین و امارۃ الصبیان''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۱۱)

سن ۶۰ ھ میں یزید برسر اقتدار آیا ہے اور اس سے ایک سال پہلے ۵۹ ھ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا ہے ''قال قال النبی ﷺ'' جناب رسول اللہ ﷺ کے جو مقامات ہیں ان میں سے ایک نبوت بھی ہے، رسالت بھی ہے، مرسلیت بھی ہے کچھ حضرات قلب کرتے ہیں کچھ ترادف مانتے ہیں۔

حدیث پر کلام

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"کلمتان" دو کلمے ہیں"حبیبتان" جو بہت پیارے ہیں"الی الرحمن" اللہ رحمٰن کے نزدیک"خفیفتان علی اللسان" اور بڑے ہلکے پھلکے ہیں زبان پر "ثقیلتان فی المیزان" اور بھاری ہوں گے میزان کے ترازو میں۔ "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" یہ دو کلمے ہیں پاکی ہے اللہ کے لئے اور حمد بھی اسی کی شان کے لائق ہے اور" سبحان اللہ العظیم " وہ بزرگ و برتر ہے جو پاکی کے لائق ہے جس کے لئے ہر طرح پاکی ثابت ہے، دو کلمے ہیں کلمات تو بہت ہیں ایک کلمہ یہ ہے لا الہ الا اللہ جس کا آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو کہا کہ اقرار کرلو اور ایک کلمہ ہے

"اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهُ"(فاطر آیت ۱۰)

ایک ہی کلمہ ہے مگر"کلمتان" یہ دو کلمے ہیں نحو کے اعتبار سے کلام ہے لیکن ذکر جمیل کے اندر کلمتان ہے اور پسند ہیں اللہ رحمان کو" حبیبتان""" حبیبتان بمعنی محبوبتان" ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی نے کہا ہے کہ"ای محبوب القائل "جو ان کو پڑھے وہ محبوب ہوتا ہے محبوب اداؤں سے آدمی محبوب بنتا ہے۔"الحب" یہ"محبة الزیادة فی الخیر "خیر کے اندر اضافہ کو کہتے ہیں۔لفظ اللہ کی جگہ لفظ رحمٰن لے آئے کیونکہ اس میں عطوفت بہت زیادہ ہے شفقت نہیں کہنا چاہیے اللہ تعالیٰ شفیق نہیں ہیں کیونکہ شفیق اس کو کہتے ہیں جو ڈر کے پیار کرے جیسے ماں باپ ڈرتے ہیں استاد ڈرتا ہے بادشاہ

ڈرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ڈرتا نہیں ہے ''واشفقنا ....'' عقائد کی کتابوں میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شفیق نہیں ہے اور شفقت کی نسبت نہیں کرنا چاہئے احتیاطاً۔ چونکہ لفظ اللہ علم ذات ہے اور لفظ رحمٰن شبہ علم ہے باقی سب اسماء صفات ہیں'' خفیفتان علی اللسان'' ہلکے پھلکے ہیں زبان میں۔

اگر سورۂ بقرہ پڑھ لے تو دڈیڑھ دو گھنٹہ لگ جاتے ہیں، بہترین سورت ہے جس جگہ پڑھی جائے شیاطین بھاگ جاتے ہیں دکان میں، کارخانے میں، دفتر میں، گھر میں سات دن مسلسل پڑھی جائے بزرگوں کا عمل ہے حدیث میں ہے کہ شیاطین کے بُرے اثرات ختم ہوجائیں گے سورت یٰسین'' یٰس قلب القرآن'' دن میں پڑھیں گے تو مسائل ختم ہوں گے، رات میں پڑھیں گے تو بادشاہت نصیب ہوگی، لیکن وقت مانگتی ہے سورت ہے طویل مفصل، سورہ مزمل دفع اعداء، دفع بلیات کے لئے تیر بہدف ہے عصر کے وقت میں اموال خیر صلاح فلاح کے لئے، سورۂ واقعہ بعد المغرب قبل النوم عذاب قبر سے بچنے کے لئے، رات کو سوتے وقت سورہ ملک پڑھنا سنت طریقہ ہے کہ الم سجدہ بھی رات کو سوتے وقت پڑھی جائے اورنگزیب بادشاہ نے جو قرآن شریف لکھا ہے الم سجدہ میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے وقت سورہ الم سجدہ اور سورہ ملک پڑھے سورہ ملک پر پھر لکھا ہے اس کو کہا گیا کہ یہ ہوچکا ہے کہا رہنے دیں اگر وہاں کسی کو عمل نصیب نہ ہوا تو شاید یہاں نصیب ہوجائے اور اورنگزیب کو آخرت میں کام آجائے وہاں کی فکر بہت ضروری ہے۔

''خفیفتان علی اللسان'' ہلکا پھلکا وظیفہ ہے۔ خواجہ خواجگان نظام الملت والدین نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ سے ان کے شیخ کبیر فرید گنج شکر اجودھنی رحمہ اللہ نے

پوچھا تھا کہ آپ گھر سے امن سے آتے جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اور لوگ تو بہت پریشان رہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین نام ہیں جب وہ پڑھے جائیں تو اللہ تعالیٰ خیر سے واپس لائے گا اور وہ یہ ہیں

'' یاحافظ یاناصر یا معین ''

''اسلامی سیاست'' میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سترہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ محصور ہو گئے تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے چار اسماء پڑھے اور انہیں دشمنوں سے نجات حاصل ہو گئی، وہ کلمات یہ ہیں

''یا حلیم یا علیم یاعلی یا عظیم''

علی اللہ کا نام ''وھو العلی اکبیر''

تو ایک وظیفہ ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دینا چاہتے تھے لیکن اپنی طرف سے نہیں محمد عربی ﷺ کی طرف سے اور وہ ہے یہ کلمتان جو اللہ کے نبی نے تعلیم فرمائے ہیں کیونکہ اس کے بہت سارے فوائد ہیں ایک تو اللہ کے محبوب ہیں تو پڑھنے کو محبت الٰہی نصیب ہوگی،

محبت جو اس کی عطا ہوگئی یہ دنیا بھی جنت نما ہوگئی

اور دوسرا یہ کہ کہنے میں بھی آسان ''خفیفتان'' ہیں علماء نے لکھا ہے کہ اکثر حروف مجوفہ ہیں اور تیسرا یہ کہ '' ثقیلتان فی المیزان '' میزان ترازو میں بڑے بھاری بھر نکلیں گے میزان کا ترازو بڑا ترازو اس کو بھرنا ہے مسلم شریف میں ''سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ او تملأن'' صرف سبحان اللہ کہنے سے میزانِ حسانات آدھا بھر جائے گا اور جب الحمد للہ کہیں تو پورا بھر جائے گا اور اللہ اکبر کہنے سے اطراف

سماوات بھر جائیں گے۔" ثقیلتان فی المیزان "حدیث شریف میں ہے قیامت کے دن بہترین اخلاق بھی وزن دار ہوں گے اور جو گھوڑا جانور دین کے لئے پالا جاتا ہے اس کا چارہ، صفائی، ستھرائی اتار، چڑھاؤ یہ ساری چیزیں نیکیوں میں دیدی جائیں گی یہ جہاد اور مجاہدین کی فضیلت پر دلالت ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ اصل میں اسبح سبحان اللہ اس کا عامل ہمیشہ محذوف ہوتا ہے یا تسبیح سبحان اللہ اور " سبحان کلمة تحدیث " ہے اللہ تعالیٰ عیوب سے ماوراء ہیں، اللہ ظالم نہیں ہے، اللہ جاہل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔ اللہ زن اور جفت سے پاک صاف ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، جس کو مناطقہ کہتے ہیں صفات قلبیہ یہ "سبحان" ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ، تقدیس سب ثابت ہو جائے گی، دوسرا یہ کہ اللہ علیم ہے، اللہ بڑے عادل ہیں، اللہ رب العالمین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے، اللہ ہی خالق و مالک ہے، اللہ ہی شہنشاہ مطلق ہے، ہے، ہے، ہے، یہ ثابت کرنا یہ وبحمدہ ہے" و "حالیہ ہے" اسبح الله متلبسا بحمدی "سبحان اللہ والحمد للہ کی جگہ اور سبحان اللہ العظیم اس کی تاکیدِ مزید ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ مجلس کے آخر میں اگر سبحان اللہ پڑھ لیا جائے تو وہ مجلس افسوس اور حسرت کا باعث نہیں بنے گی۔

تو آخر وقت ہے آخری مجلس ہے اس وجہ سے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سب پڑھ لیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب نبی کریم ﷺ سے کہا تھا معراج کے موقع پر کہ امت کو میرا اسلام کہیں اور ان کو یہ بھی کہیں کہ جنت بالکل خالی پڑی ہے، فصل کے لئے تیار ہے اور اس میں بیج وہیں سے ڈلتا ہے اور وہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یا

مختلف کلمات مروی ہیں اس کو پڑھنے سے جنت کے اندر شجر کاری ہوتی ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ فجر پڑھ کر تشریف لے گئے آپ ﷺ جب جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت جویریہ ام المؤمنین کو بیٹھا دیکھا تھا، وہ بیٹھی تھیں کافی دیر سے آپ ﷺ آئے اور ان کو اسی طرح بیٹھا ہوا پایا، آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح بیٹھی ہوانہوں نے کہا جی حضرت! آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد چار کلمات تین دفعہ پڑھیں اور وہ آپ کے پورے بیٹھنے تسبیحات اور دعاؤں کے ساتھ جب تولے جائیں گے تو بھاری نکلیں گے وہ چار کلمات یہ ہیں۔

''سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضى نفسه وزنة عرشه و مداد كلماته''

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۲۰ رحمانیہ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارا یہ درس، طلباء، مہمان اور ان کی آمد اور یہ اجتماع قبول فرمائے

احسنی کتب خانہ

الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی پاکستان